

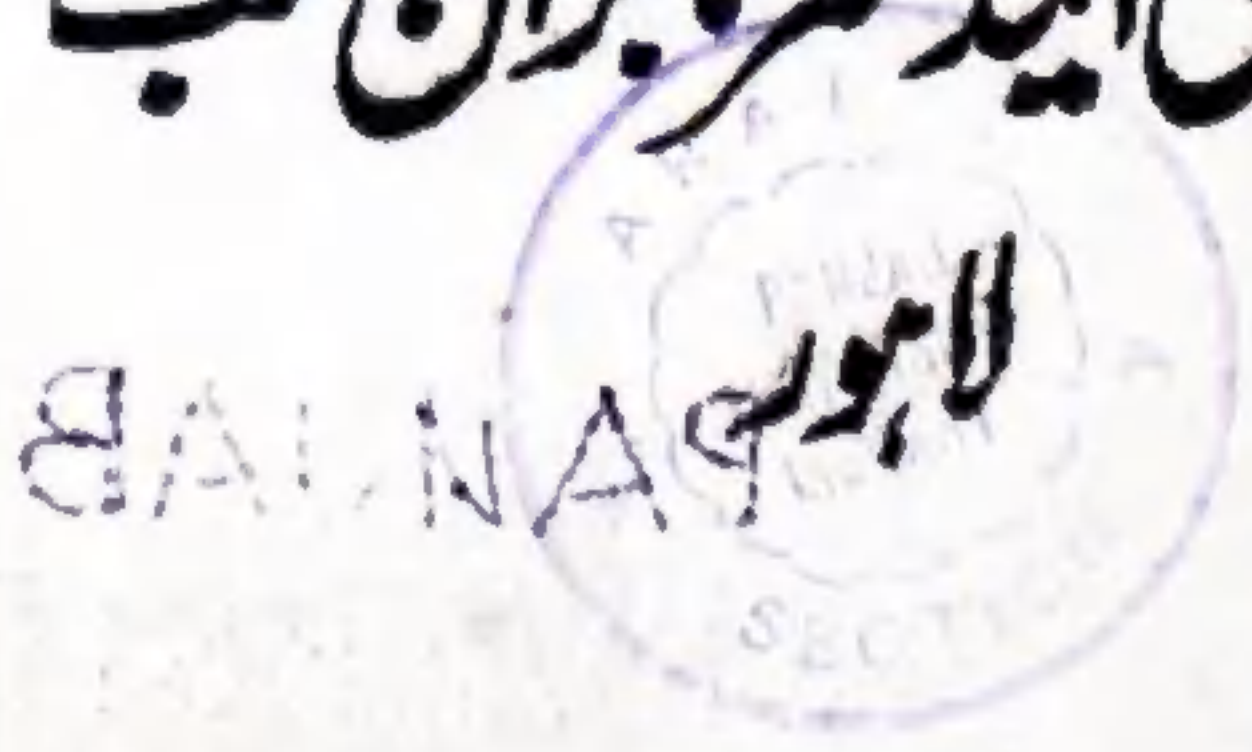
وَاذْكُرُوا مَعَ الرَّاكِعِينَ
۵۰۰۰۰۰۰۰

اسلام میں
امامت کا تصور

از
مولوی بدر الدین صاحب بدر جالتدہری

ناشران

شیخ غلام علی اینڈ سنز تاجران کتب



۲۹۷۵۸۱

جمہ حقوق محفوظ

20355

SECTION

بار اول ۱۹۳۸ء

شیخ نیاز احمد پرنسپل شری اتحاد پریس بل روڈ لاہور میں طبع کر کے
کشمیری بازار لاہور سے شائع کیا

ایک روپیہ اچھا آئے

قیمت فی جلد

انتساب

میں اپنی اس ناچیز تالیف کو علامہ اقبالؒ کے نام جن کے کلام کی روح جا بجا میری اس کتاب میں نمایاں ہے۔ منسوب کرتا ہوں کیونکہ آپ کے چیدہ اور منتخب اشعار نے جگہ بجگہ چسپاں ہو کر میرے اس مضمون میں بیداری کی ایک نئی روح پھونک دی ہے۔

خاکسار
بدر جالندھری

عرض مؤلف

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
الحمد لله رب العالمین

آخر آمد ز پس پر و تو نقد پر پدید!

پاکستان کے قیام کے بعد قوم کے تعمیری پروگرام کی تکمیل کا مسئلہ عام مسلمانوں کے زیر بحث ہے۔ اور کسی قوم کی فلاح و نجات کا تمام تر داؤ و مدار اس کی صحیح قیادت پر ہے۔ قائدین ملت و ائمہ مساجد کی رہنمائی کے لئے اردو زبان میں اس وقت تک کوئی ایسی اسلامی کتاب موجود نہ تھی جو ان کی ضروریات کو کئی یا جزوی طور پر پورا کر سکے۔ لہذا میں نے انکی تمام ضروریات کو یکجا جمع کر کے قوم کی اس اہم ضرورت کو کسی حد تک پورا کر دیا ہے۔ اور نئی روشنی کے نوجوان طبقہ کے ذہن میں قیادت کا خالص اسلامی تصور پیدا کرنے کی کوشش کی ہے میں امید کرتا ہوں کہ قائدین ملت کیلئے عموماً اور ائمہ مساجد کیلئے خصوصاً اس کتاب کا مطالعہ نہایت فائدہ بخش ثابت ہوگا۔ بلکہ ہر مسلمان کو حسب استعداد اس ناچیز تالیف کے مطالعہ سے مستفید ہونا چاہئے۔

ایں دعا از من و از عالم اسلام آئیں!

خاکسار: بدر جالتھری

فہرست مضامین

نمبر شمار	مضمون	صفحہ	نمبر شمار	مضمون	صفحہ
	امامت کبریٰ				
۱	امامت کا مطلب	۱۱	۳	امام کی ذمہ داری	۷۹
۲	امامت کا مقصد	۱۳	۴	امام کی صفات	۸۳
۳	امامت کا اثر	۱۷	۵	امام کی اطاعت	۸۶
۴	امامت کی ضرورت	۲۰	۶	امام کی جماعت	۹۰
۵	امامت کا انتخاب	۲۲	۷	امام کی شرائط	۹۳
۶	امامت کی اہمیت	۲۸	۸	امام کے مقتدی	۹۷
۷	امامت کا انحصار	۳۲	۹	امام کا خطبہ	۱۰۱
۸	امامت کا حصول	۳۷	۱۰	امام کی ہرول عزیزی	۱۰۶
۹	امامت کی صورت	۴۳	۱۱	امام کا حسن منوک	۱۰۹
۱۰	امامت کا انقلاب	۴۸	۱۲	امام کا پیشہ	۱۱۲
۱۱	امامت کا عدم	۵۱	۱۳	امام کی صنعت	۱۱۵
۱۲	امامت کی تعلیم	۵۶	۱۴	امام کی تربیت	۱۱۸
۱۳	امامت کی تکمیل	۶۶	۱۵	امام کی ضروریات	۱۲۱
	امامت صغریٰ		۱۶	امام کا مدرسہ	۱۲۵
۱	مساجد کی اہمیت	۷۱	۱۷	امام کا روزانہ پیرہن گرام	۱۲۹
	امام کا عہدہ	۷۵	۱۸	امام کا سالانہ پیرہن گرام	۱۳۲

امامتِ کبریٰ

سبق پڑھ کر صد اُقت کا عدالت کا شجاعت کا
لیا جائیگا تجھ سے کام، دُنیا کی امامت کا!

امامت کا مطلب

تو نے پوچھی ہے امامت کی حقیقت مجھ سے

حق تجھے میری طرح صاحب اسرار کرے!

امامت و قیادت دو مترادف لفظ ہیں۔ جن کے معنی سرداری یا Leader

ship - کے ہیں۔ ادا نام کسی قوم کے پیشوا یا Leader کو کہتے

ہیں امامت کی دو بڑی قسمیں ہیں۔ امامت کبریٰ و امامت صغریٰ۔ کسی قوم

کی دینی یا دنیوی جسد امور میں ہر قسم کی رہنمائی کرنا امامت کبریٰ کہلاتی ہے۔

اور کسی ایک چیز یا نماز کی امامت امامت صغریٰ کے نام سے موسوم کیجاتی ہے

اسلام اور مسلمانوں کی تمام ضرورتیں امامت اور امام سے ہی پوری ہوتی ہیں۔

اور امامت کے بغیر مسلمانوں کی قوم جسد بے روح ہے آج مسلمانوں کی تمام تباہ کاریاں

اور بربادیاں محض اسی لئے ہیں کہ امامت کا مقصد صحیح طور پر پورا نہیں ہو رہا۔ کیونکہ بہترین

امام کا نہ ہونا مسلمانوں کی دینی و دنیوی برکات سے محرومی کا باعث ہے۔

کر سکتے تھے جو اپنے زمانے کی امامت

وہ گنہ دار آ اپنے زمانے کے ہیں پرورد

کسی مذہب کا حقیقی کمال صداقت یہ نہیں ہے۔ کہ وہ محض اخلاقی و روحانی اصولوں کو ایک کتابی صورت میں جمع کر کے اپنے متبعین کے حوالے کر دے۔ اور ان اصولوں کی پشت پر کوئی عمل کرنے والی قوت اور نظام حیات پیش نہ کرے۔ بلکہ حقیقی کمال یہ ہے کہ ان اصولوں کے حق میں ایک ایسی فضا بھی پیدا کر دے اور پیروان مذہب کے ارد گرد اطاعت و فرمانبرداری کا ایسا مضبوط قلعہ باندھ دے۔ کہ کسی حالت میں بھی وہ اس سے خارج نہ ہو سکیں۔

پس اگر کوئی مذہب اپنے اندر عمل کرانے والی طاقت نہ رکھے۔ اور پیروان مذہب پر کوئی خارجی اثر نہ ڈالے۔ تو وہ مذہب بیکار اور بے جان ہے۔ اور اپنے پیروکاروں کے لئے فلاح و نجات کا صحیح راستہ دکھانے سے قاصر ہے۔ لہذا مذہب کی زندگی کا راز صرف اسی بات میں ہے۔ کہ وہ اعلیٰ اخلاقی و روحانی اصول دنیا کے سامنے پیش کرے۔ اور ساتھ ہی ان کے لئے ایک ایسی مستقل فضا بھی پیدا کر دے جس سے سوسائٹی کا ہر فرد ان اصولوں کی پیروی کرنے پر طوعاً و کرہاً مجبور ہو جائے ان کی نشوونما کے لئے فضا اور زمین مہیا کرے۔ بدکرداری کے راستے میں روک لگا دے اور پرہیزگاری کی راہیں کھول دے۔

پس اسلام کے نزدیک مذہبی حدود کی حفاظت کرنے والی اور اشخاص کو مذہبی احکام پر قائم رکھنے والی قوتیں اور خارجی مؤثرات و محرکات تین ہیں۔ اول حکومت، قانون اور پولیس۔ دوم مختلف قسم کی امیدیں اور خوف۔ سوم زندگی کا

عملی نظام اور پبلک رائے۔ ان ہر سہ محرکات میں سے امامت کا تعلق عموماً محرک
 حرم سے ہے جس طرح اسلام نے محرک اول و دوم کی نسبت نہایت شد و ہار کے ساتھ
 تعلیم دی ہے۔ اسی طرح محرک سوم یعنی اسلامی زندگی کے عملی نظام کے ضمن
 میں امامت و امام کے متعلق بھی مفصل ہدایات اور شواہد فرمائی ہیں۔

کھلا غرض امامت اور امام کیا ہے۔ وہ نظام ضابطہ اور عمران جو مسلمانوں کے
 ارد گرد اطاعت خداوندی کا ایک مضبوط قلعہ کھینچتا ہے۔ انہیں فرمانبرداری
 اطاعت کے قلعہ میں محصور کرتا ہے۔ ان کو روحانی وابدی صحت کا پیالہ پینے پر
 مجبور کرتا ہے۔ اور فسق و فجور کی تمام ظلمات اور تباہ کاریوں کو دور کر کے ان کی
 اخلاقی و روحانی ترقی کے لئے حرارت اور روشنی مہیا کرتا ہے۔ اور خدا و فی الارض
 سے اپنے مقتدیوں کو روکتا ہے اور قوم کے متفرق افراد کو ایک مرکز پر جمع کر کے
 ان کی شیرازہ بندی کرتا ہے وہی شخص عرف عام میں امام کہلاتا ہے۔ اور اس کی
 تمام تر کارگزاری امامت و قیادت کے لفظ سے تعبیر کی جاتی ہے۔

مومن کیلئے موت ہے مرکز سے جدائی

ہو عبا حب مرکز تو خودی کیا ہے؟ خدائی!

امامت کا مقصد

جو کہ فی ہر جہاں انگیری محمد کی غلامی کر
عرب کا تاج سر پر رکھ خداوند عظیم ہو گیا

اسلام کی سب سے پہلی امامت بانی اسلام سرور کائنات حضرت محمد
مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں تھی۔ جس طرح دنیا کا آخری اور عالمگیر مذہب
اسلام ہے۔ اسی طرح دنیا کے سب سے بڑے امام سید الانبیاء خیر البشر رسول
اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ آپ نے اپنے تئیں سالہ عہد نبوت میں قوم ملک
اور انسانیت کیلئے جو تعمیری کام انجام دیا۔ اسکی نظیر تاریخ عالم میں اور کہیں نہیں
ملتی۔ چنانچہ آپ نے دنیا کے جاہلوں کو عالم، ظالموں کو عادل، وحشیوں کو
مہذب، بد اخلاقوں کو با اخلاق، با اخلاقوں کو با خدا، غیر متمدنوں کو متمدن،
ڈاکوؤں کو پاس بیان اور گڈ ریلوں کو بادشاہ بنا دیا۔ امداد اتنا ہی نہیں۔ بلکہ ان
خوہیوں میں انہیں ساری دنیا کا امام بنا دیا۔ قصر نہالت سے اٹھ کر بامِ مروج تک
پہنچایا۔ غلامی کی مسیبت سے نجات دلا کر آزادی کا لطف چکھایا۔ قلاکت و ادبار کے

گڑھے سے نکال کر خلافت یعنی شاہنشاہیت کے تخت پر بٹھایا۔ غرضیکہ ان کے ہر قبح کو تبدیل بہ حسن کر دیا۔ اور ان کی ہر قسم کی معصیت پر معصومیت کا رنگہ چڑھا دیا۔

ساری دنیا جانتی ہے کہ اس حیرت انگیز انقلاب کا سبب وحید فقط آپ کی صحیح قیادت تھی۔ جس کی روز افزوں ترقی کو دیکھ کر مخالفین کی آنکھیں خیرہ ہو گئیں۔ اور مقابلہ کی تاب نہ لا کر آخر آپ پر جادو کا الزام لگا دیا۔ مگر آپ کی پاک تعلیم نے لوگوں کے دلوں پر ایسا قبضہ جمایا کہ لاکھ جتن کرنے کے باوجود بھی وہ اٹھائے نہ اٹھ سکے۔ مگر آج سے

تا شعار مصطفیٰ از دست رفت

قوم را از مرتبت از دست رفت!

آپ کے نصاب تعلیم کا تمام تر عاود مدار صرف خدا کی آخری کتاب قرآن پر تھا۔ جسکے ذریعے آپ نے عقیدہ توحید ذہن نشین کرنے کے بعد انہیں مشائخ و بزرگ۔ زکوٰۃ اور حج پر بھی کر دیا۔ اس کی صحیح قیادت کے زیر اثر قرآن کے اس مختصر لائحہ عمل نے ان پر ایسا رنگ چڑھایا کہ ان کی فوج بے نظیر، ان کی اطاعت بے مثال، ان کا ایثار لاثانی، ان کے حج سراپا القباب، ان کی مساوات ضرب المثل، وہ محنت کے عادی، ہمشقت کے لہرے، بھوک و پیاس سے مالوس، رات کو یاد الہی میں بیدار اور دن کو میدانِ مقابلہ کے شہسوار نظر آنے لگے۔

اسلام کی یہ خدا پرست جماعت جس کا ایک ہی قبلہ، ایک ہی مرکز، ایک ہی امام، ایک ہی سرور، ایک ہی قول، ایک ہی فعل، ایک ہی صورت، ایک ہی مطلب اور ان ساری وحدتوں کا ایک ہی مقصود خدائے وحدہ لا شریک ہے۔

✓ خدا بھی ایک، نبی بھی ایک اور اسلام بھی ایک

کیا بڑی بات تھی جو مسلمان بھی ایک!

اگر اب بھی اس کی صحیح قیادت کی جائے اور امامت کا مقصد صحیح طور پر پورا کیا جائے تو اسلام کے ان پانچ ارکان میں آج بھی وہی پیغام حیات موجود ہے جس نے تمام دنیا

کے تمدن میں ایک انقلاب عظیم برپا کر کے اطراف و جوانب کی تمام بڑی بڑی حکومتوں

کا تختہ الٹ دیا تھا۔ کیونکہ جب یہ خدا پرست جماعت ایک دفعہ پھر اسی وحدت کا

مددِ غیرت حاصل کر کے دنیا میں ایک نیا قدم اٹھائے گی۔ تو "إِنْ تَتُوبَا إِلَى اللَّهِ

يَتُوبَا إِلَيْهِ" کے وعدہ کے مطابق لازمی طور پر خدائی طاقت ان کی مدد کیلئے آئیگی

زمین و آسمان کے خزانے ان کی خدمت کے لئے وقف کر دے جائیں گے۔ قوم کی مردہ

رگوں میں زندگی کا تازہ خون دوڑنے لگے گا۔ محکوم قوم از سر نو حاکم بن جائے گی۔ اور آپس

میں دست دگریبان ہونے والی قوم باہم بشیر و شکر ہو جائے گی۔

یہی مقصودِ فطرت ہے، یہی رمزِ سلطانی

انصاف کی جس نگہری، محبت کی فراوانی!

امامت کا اثر

پرفنا ایک ہی تسبیح میں ان بکھرے دانوں کو
جو مشکل ہے تو اس مشکل کو آسان کر کے چھوڑ دینگا!

پس جب یہ خدا پرست منظم جماعت کامل اتحاد کے ساتھ باہمی الفت و
ایثار کے جذبات لے کر پھر ایک ہی امیر کے ماتحت ہو جائے۔ اپنی تمام تر کوششیں
ایک ہی مرکز اور ایک ہی مقصد کے ساتھ وابستہ کر دے۔ اور گھر سے کھا کر
اپنے امیر کے اشارے پر اپنی جان پر کھیلنے کے لئے تیار ہو جائے۔ اور اپنے
تمام آئمہ مساجد کو اسی ایک امیر یا قائد اعظم کے ہمنوا بنالے۔ تو ان کی ہر مشکل
آسانی سے بدل جائے گی۔

رازِ حیات پوچھ لے خضرِ نجستہ گام سے

زندہ ہر ایک چیز ہے، کوششِ ناتمام سے!

اور امام بھی نہ شخص ہو جس کے سینے میں وہی علمِ عرفان ہو۔ وہی غیرت و شجاعت
ہو۔ جو سید المرسلین، خاتم النبیین علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سینہ اطہر میں تھی۔

اور وہ سوائے خدا تعالیٰ کے کسی سے نہ ڈرے۔ نہ کسی کی پرواہ کرے۔ نہ کسی سے طمع رکھے۔ بات وہ کہے جو خدا تعالیٰ اور اُس کے رسول کو پسند آئے۔ اور جس سے اسلام کا بول بالا ہو۔ مسلمانوں کا بھلا ہو۔ انہیں عزت و حرمت نصیب ہو۔ عدل و انصاف پھیلے۔ دنیا میں امن قائم ہو۔ حق سے سرکشی کرنے والے نیست و نابود ہوں۔ پھر ایسے امام کی خدا خود پشت و پناہ ہوگا اور ”وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِينَ ط“ کے وعدہ کے مطابق ہر معاملہ میں اس کی پوری پوری مدد کرے گا۔

جب مسلمانوں میں یہ نظام پیدا ہو جائے۔ تو پھر یہ لوگ کسی دوسری قوم کے محکوم نہیں رہ سکتے۔ جب یہ آزادی کے لئے قدم بڑھائیں گے۔ تو آزادی خود ان کے استقبال کے لئے آگے آئے گی۔ تمام مشکلات تبدیل بہ آرام ہو جائیں گی۔ ہر ایک مقصد میں کامیابی حاصل ہوگی۔ مردہ قوم زندہ ہو جائے گی۔ قوم کے بیکار افراد باکار نظر آئیں گے۔ مفلسوں اور محتاجوں پر خزان الہی کے دروازے کھل جائیں گے اور تمام قوم مالا مال ہو جائے گی۔

اپنی دنیا آپ پیدا کر اگر زندوں میں ہے

میرا دم ہے، ضمیر کن نکاں ہے زندگی!

جس قوم کا ایسا امام ہو۔ وہ قوم اپنے آپ کو ایک قلعہ میں محفوظ سمجھتی ہے

اور ایسا امام بمنزلہ ایک حکمران کے ہوتا ہے۔ اگر کوئی شخص اپنے امام کی اطاعت سے

گریز کرے۔ اُسے حاکماتہ سلام بجالانے سے جی چڑائے وہ باغی سمجھا جاتا ہے مجرم
 بغاوت فرد ہونے کے بعد بھی ایک مدت تک اسے دنیا کی زندگی میں مہلت دی
 جاتی ہے۔ اگر پیغام موت پلنے تک بھی وہ اپنی ضد سے باز نہ آئے تو پھر جہنم کے
 جیلخانہ میں بھیجا جاتا ہے۔

پس اگر ہندوستان کے دس کروڑ مسلمان اپنی اس سیزدہ صد سالہ تنظیم کی
 پھر تجدید کر لیں اور اپنے قائد اعظم کے اشارے پر پوری طرح چلنے لگ جائیں۔ اور
 ان کے تمام آئمہ مساجد صحیح معنوں میں سید المرسلین علیہ الصلوٰۃ والسلام کے جانشین
 ہو جائیں جن کے خطبے میں جان ہو۔ ہر ایک فقرے میں تڑپ ہو۔ ایک ایک لفظ میں
 زندگی کا پیغام ہو۔ حاضرین کے دلوں کی تار ان کی پانچ انگلیوں میں ہو۔ جب اسے
 دہائیں۔ جو آواز چاہیں نکلا لیں۔ کسی چھوٹے یا بڑے کو اس کی حکم عددی کی طاقت
 نہ ہو۔ پھر دیکھئے کیا ہوتا ہے۔ تمام طاغوتی اور مادی طاقتیں اس خدائی طاقت
 سے لرزہ بر اندام نظر آئیں گی۔ انہیں جرأت نہ ہوگی کہ اس منظم جماعت سے کلمہ
 ملا لیں۔ اور اپنی ہستی معرض خطر میں ڈالیں۔

فلانے ناکامی متارح کارواں حسنا را
 کارواں کے دل سے احساس زیان جاتا رہا!

امامت کی ضرورت

سہ بتان رنگ و خوں کو تیر کر ملت میں گم ہو جا
نہ تو رانی ہے باقی، نہ ایرانی، نہ افغانی!

اگر تمام نظام عالم پر سرسری نظر ڈالی جائے۔ تو جمادات، نباتات اور حیوانات
وغیرہ اس کے مختلف اجزاء نظر آتے ہیں۔ پھر ہر ایک جنس کی مختلف انواع ہیں۔ مثلاً
جمادات کا باب کھولا جائے۔ تو مٹی، پتھر اور دعائیں وغیرہ ہزاروں مختلف چیزیں
نظر آتی ہیں۔ اگر نباتات کے باب کو دیکھا جائے تو چھوٹے بڑے بیشمار درخت، پودے
بوٹیاں، بیلین اور گھاس پھوس وغیرہ دکھائی دیتی ہیں۔ اور سب کے پھل پھول، تاثیر
ذائقہ اور خصوصیات وغیرہ جدا گانہ ہیں۔ اسی طرح اگر رب العالم جل مجدہ کے وصف و صفات
کو دیکھا جائے تو اس میں خشکی و تری کے دو بڑے باب نظر آتے ہیں۔ اور پھر ہر ایک
باب میں ہزاروں قسم کے جاندار ملتے ہیں۔

برگ و درختان سبز در نظر ہو شیار

ہر ورق و قرلیت در معرفت کردگار!

جس طرح عبادات، نباتات اور حیوانات کی مختلف قسمیں ہیں۔ اسی طرح انسان کی بھی کئی قسمیں ہیں۔ بظاہر اگرچہ سارے انسان اعضاء انسانی میں مشترک نظر آتے ہیں۔ لیکن رنگ روپ، قد و قامت، وضع قطع، عادات و اطوار، رسم و رواج، اعتقادات و سیاسیات، وطنیت، ذہنیت، خداک اور پویشاک وغیرہ کے لحاظ سے انکی بیشتر قسمیں بن سکتی ہیں۔ اور ان خصوصیات کے لحاظ سے ہر ایک جہتاً ایک قوم کہلاتا ہے اور ہر قوم کی خصوصیات مختلفہ ایک دوسری سے جدا گانہ ہوتی ہیں۔

ہر ایک چیز کی بقا اس کے اجزائے ترکیبی کی بقا سے ہوتی ہے۔ اگر کسی چیز کے اجزائے ترکیبی کو کچل دیا جائے تو وہ چیز فنا ہو جاتی ہے۔ مثلاً ایک درخت کا پھل توڑ کر پتے جھاڑوئے جائیں۔ شاخیں اور تنے کاٹ وئے جائیں۔ جڑوں اکھیر کر پھینک دی جائے۔ اس کے تمام اجزاء اگرچہ علیحدہ علیحدہ آنکھوں کے سامنے پڑے ہوں۔ لیکن اس کو درخت کوئی نہیں کہے گا۔ بلکہ درخت اسی صورت میں تھا۔ جبکہ ہر ہر ایک چیز اپنی اپنی جگہ پر قائم تھی۔ اسی طرح اگر کسی قوم کی خصوصیات قومی فنا ہو جائیں تو اس کے منتشر اجزاء اگرچہ دنیا میں موجود ہوں گے۔ لیکن اس قوم کو قوم نہیں کہا جائیگا۔ اور اگر گن جائیگا تو زندہ قوم نہیں کہا جائیگا۔ بلکہ اسے مردہ قوم کی فہرست میں شمار کیا جائیگا۔ اس کے لئے

یہ نصیب ہوگا۔

بجائے اسکے

دوسروں سے ٹھوکریں کھائیگی۔

۱۔ اپنی قیمت بازو کا سکہ دوسروں پر بٹھائے۔

۲۔ خود مری قوموں کو اپنے اندر جذب

خود جذب ہو جائیگی

کرے۔

۳۔ اپنے تنگ ناموں کی حفاظت کرے

دوسروں کے رحم پر چھوڑی جائیگی۔

۴۔ اپنے اسلاف کی عزت کرے۔

انکی توہین و تذلیل کرائیگی۔

۵۔ خود داری و غیرت کا پیکر ہو۔

ذلیل اور بے غیرت دیکھی جائے گی۔

ہندوستان میں مختلف قومیں آباد ہیں مثلاً ہندو، مسلمان، سکھ اور عیسائی وغیرہ
سارے کے سارے اعتقائے انسانی میں تو مشترک ہیں لیکن اپنی اپنی خصوصیات مختصہ
کے لحاظ سے علیحدہ علیحدہ قومیں شمار کی جاتی ہیں۔ مسلمان آٹھویں صدی عیسوی کے ابتداء
میں یہاں آئے اور انیسویں صدی کے درمیان تک سارے گیارہ سو سال انہوں نے
ہندوستان پر حکومت کی۔ اس کے بعد ایک انقلاب عظیم آیا اور اس انقلاب عظیم اور
اس سے پیدا شدہ بعد کے ماحول سے مسلمانوں کی خصوصیات قومی پر ایک کاری ضرب
لگی جس سے اخوت، قوت، دیانت، امانت، کفایت اور دلالت وغیرہ اوصاف
عستہ سے وہ محروم ہوتے چلے گئے۔ اور بالآخر یہاں تک نوبت پہنچی کہ نہ خوفِ خدا،
نہ فکرِ عاقبت، نہ حیا و شرم، نہ فتوتِ اسلامی، نہ جذباتِ اسلامی، نہ غیرتِ
اسلامی، نہ حمیتِ اسلامی، نہ بڑوں کی عزت، نہ چھوٹوں پر شفقت غرضیکہ ہر
خوبی ان سے کوسوں دور ہو گئی ہے۔

تن آسمانیاں چاہیں اور آبرو بھی !
وہ قوم آج بے بسی کی گر کل نہ ڈوبی !

20355

اسراف ان کی گھٹی، ریا ان کا لباس، خوشامد ان کی لوٹڈی، فہمیت ان کا
 مشغلہ، مقدمہ بازی ان کی رسم اور جھوٹی شہادتیں ان کی برادرانہ حماست بن گئی۔
 نتیجہ یہ ہوا کہ تمام مسلمان عذاب الہی میں مبتلا ہو گئے۔ افراد قوم تو ایک طرف
 آئمہ قوم بھی امامت کی صلاحیت سے محروم ہو گئے۔ جب ان میں اپنے فرائض
 منصبی کو پورا کرنے کی اہلیت نہ رہی۔ تو پھر قوم اور افراد قوم کا تو خدا ہی حافظ
 ہے۔

گر ہمیں کتب و ہمیں کلا۔

کارِ طفلان تمام خواب شد!

اگر لیل و نہد یہی حال رہا اور شغلت شکاری کی یہی کیفیت رہی۔ تو خاتمِ مہین
 ہندوستانی مسلمانوں کی آئندہ نسلیں کلمہ اسلام اور نام اسلام سے بھی بے بہرہ
 ہو جائیں گی جس کا علاج سوائے اس کے اور کچھ نہیں۔ کہ قومی عمارت کی ازسرنو
 تعمیر کی جائے۔ تمام افراد قوم کو ایک مرکز پر جمع کیا جائے۔ سب کی باگ ڈور
 ایک ہی قائدِ اعظم کے سپرد کی جائے۔ علماء امت اور رہنمایان قوم سپر
 المرسلین کے اسوۂ حسنہ کا پھر زندہ نمونہ بن جائیں۔ اپنی امامت کے فرائض کو
 نہایت خوش اسلوبی سے پورا کریں۔ اندیشہ پوری طاقت خرچ کر کے قوم سے تعمیل کرنا اپنی زندگی کا
 نصب العین بنالیں جس کا سارا دار و مدار امامت کے مقاصد کو صحیح طور پر پورا کرنے پر ہے۔

یاد دل سلم کو وہ زندہ تمنا دے

بورج کو تر پادے، جو قلب کو گرا دے

امامت کا انتخاب

اے مسلمانانِ فغان! اذقنہ اے علم و فن

ہر من اندر جہاں ارزاں، دیزداں دیو یاب!

ہندوستان میں اس وقت مسلمانوں کی مختلف جماعتیں نظر آتی ہیں۔ جن کو

سرسری نظر سے چار قسموں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ اقل طبقہ علماء۔ دوم جدید

تعلیم یافتہ طبقہ۔ سوم طبقہ اہل دولت و ثروت اور چارم طبقہ عوام۔ علماء کی پھر دو

قسمیں ہیں۔ اول علماء سود اور دوم علماء ربانی۔ علماء سود کو تو حق سے کوئی واسطہ

نہیں ہے، انہیں محض اپنے علیے ماندے سے کام ہے۔ اُمت محمدیہ علی صاحبہا

الصلوٰۃ والسلام کا بھلا ہونا نہ ہو آپس میں لڑ مرے یا بشیر و شکر ہو کر رہے بلکہ

پنجاب میں تو علماء سود کو شمش کر کے ایسے مسائل کی ترویج و اشاعت کرتے ہیں

یہ زمانہ رسالت بابِ قداۃ اُمی و ابی یا زمانہ صحابہ کرامؓ یا آئمہ اربعہ کے زمانے

کی پیداوار نہیں ہیں۔ بلکہ بعد میں کسی وقت کی ایجاد و اختراع ہیں۔ جن پر اُمت محمدیہ

علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کبھی متحد ہو ہی نہیں سکتی مسائل متفق علیہا کو چھوڑ کر

ایسے اختلافی مسائل کو اصول دین بناتے ہیں۔ اور جاہلوں پر خوب رنگ چڑھاتے ہیں اور ان کے دلوں میں اپنے مسلمان بھائیوں کے متعلق نفرت کا بیج پوتے ہیں۔ علماء سوء کو اس کے سوا کوئی مشغلہ نہیں۔ ”اِنَّ شَرَّ الشَّيْءِ شِرَارُ الْعُلَمَاءِ“ یعنی بدترین شرارت علماء کی شرارت ہے۔ کی حدیث آنحضرتؐ نے انہی علماء سوء کے حق میں ارشاد فرمائی ہے۔

من از بیگانگان ہرگز نہ تالم
کہ بامن آنچہ کرداں آشنا کرو!

علماء ربانی کی پھر دو قسمیں ہیں۔ اول علماء ربانی بے حس۔ دوسرے علماء ربانی ضروریات قومی سے آشنا اور اقدام عمل کرتے والے علماء ربانی بے حس اگرچہ حق پرست طبقہ ہے۔ ان میں اعلان حق کی جرأت موجود ہے۔ جو بات انہیں سمجھ میں آجائے۔ بلا خوف و ہراس کہہ سکتے ہیں لیکن بجز مستثنیات اس مذاق کے حضرات کو بھی مسلمانوں کی ضرورتا وقتیہ کا بہت کم احساس ہوتا ہے۔ ان میں سے اکثر حضرات معاشیات و سیاسیات سے قطعاً نا آشنا ہوتے ہیں۔ موجودہ وقت میں غیر مسلموں کی چالبازیوں اور کارروائیوں سے بہت کم واقف ہوتے ہیں۔ اس لئے وہ بھی مسلمانوں کی صحیح قیادت کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتے۔ یہی باعث ہے کہ مصلحین کی صف میں ایسے علماء کرام کا وجود بہت کم دیکھنے میں آتا ہے۔

خروئے کہہ بھی دیا لا الہ الا توکيا حال دل و نگاہ مسلمان نہیں تو کچھ بھی نہیں!

دوسرے علماء دہائی وہ ہیں جو ضروریاتِ قومی سے آشنا اور لوگوں میں عملی روح پھونکنے والے ہیں۔ ان کی تعداد بہت ہی قلیل بلکہ اقل ہے۔ اور اگر کہیں حسن اتفاق سے اللہ تعالیٰ کا کوئی بندہ ایسا پایا بھی جاتا ہے۔ تو اس طوطی کی آواز نقار خانے میں کون سنتا ہے جہاں ایسے حق پرست عالم کی آواز اٹھتی ہے۔ وہاں بدعت پسند اور شکم پرست علماء و شور برپا کر دیتے ہیں۔ کہ یہ شخص ذہابی ہے۔ بے ایمان ہے۔ بزرگوں کا منکر ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دشمن ہے۔ لہذا اس کی بات مست ستم۔ اس کی شکل مت دیکھو۔ اس کے پاس مت جاؤ۔ اسے کافر اور مرتد کہو۔ اور جو اس پر تبرائے گئے اسے بھی ملحد اور بے دین سمجھو۔ آخر نتیجہ یہ ہوتا ہے۔ کہ جو آواز حق دین ہزار آدمیوں کو پہنچتی اور ماہِ حق میں اکسیر کا اثر رکھتی۔ وہ بمشکل تمام دین میں آدمیوں تک پہنچتی ہے۔ تمام قوم اس کی خدمات سے محروم رہ جاتی ہے۔ حالانکہ وہ ہر وقت ان کی خدمت کرنے کے لئے تیار ہوتا ہے۔ ”اِنَّ خَيْرَ الْخَيْرِ خَيْرُ الْعُلَمَاءِ“ یعنی ”بہترین خیر علماء کے چیدہ آدمی ہیں“ کی حدیث رسول اکرمؐ نے انہی علماء کے حق میں ارشاد فرمائی ہے۔

کافر کی یہ پہچان کہ آفاق میں گم ہے
مومن کی یہ پہچان کہ گم اسمیں ہیں آفاق!

در حقیقت امامت کا مستحق یہی گروہ ہے۔ چونکہ مغربی تہذیب اور زمانہ کے

ماحول سے قوم کے دل و دماغ ماؤف ہو چکے ہیں۔ جیسا طرح ایک مریض بعض اوقات میٹھی دوائی کو بھی کڑوی محسوس کرتا ہے۔ اور اس کے پینے سے ممتد بنا تا ہے۔ اور ڈاکٹر اس کی صحت کو بحال کرنے کیلئے اسے کڑوی دوائی پینے پر مجبور کرتا ہے۔ اسی طرح ان کی تلخ تعلیم بھی قوم کے روحانی مریضوں کو بعض اوقات ابتدائی تلخ معلوم ہوتی ہے۔ اور وہ اسے بامعنی قبول نہیں کرتے۔ لہذا ایسے حالات میں ان خدا پرست سچے علماء کو بھی ذرا حکمت عملی (Tect) سے کام لینا چاہیے۔ اگر براہ راست اپنا اثر و رسوخ استعمال نہ کر سکیں۔ تو پہلے تمام قوم کو ایک ہی قائد اعظم کی تقلید پر مجبور کریں۔ اور پھر اس کی طرف سے مدد پا کر اذمیر نو ان کے جذبات میں انقلاب پیدا کرنے کی کوشش کریں۔ جس کے لئے جو منہ ادبیت درکار ہے۔ استقلال شرط ہے۔ لگاتار امداد ان تھک کوشش درکار ہے۔ بہترین ٹیکٹ (Tect) کی ضرورت ہے۔

تعلیم کے تیزاب میں ڈال اسکی خودی کو ہو جائے ملائم تو جذہ صرچا ہے اسے پھیرا
 تاثیر میں اسیر سے بڑھ کر ہے یہ تیزاب سونے کا ہمالہ ہو تو مٹی کا ہے اک فہیر

امامت کی اہلیت

فتنہ وقت بیٹھا ہے امامت اُس کی
جو مسلمانوں کو سلاطین کا پرستار کرے!

طبقہ علماء میں جس طرح علماء سوء اور علماء ربانی بے حس و خود کسی دوسرے
کی امامت کے محتاج ہیں۔ اسی طرح مسلمانوں کی باقی تین جماعتوں یعنی جدید تعلیم
یافتہ طبقہ، طبقہ اہل دولت و ثروت اور طبقہ عوام کو بھی کسی صحیح امامت کی
اشد ضرورت ہے۔ طبقہ علماء کی طرح تعلیم یافتہ طبقہ کے بھی عموماً تین گروہ نظر
آتے ہیں۔ اول فتناء فی المغربیت۔ دوسرے زندہ دل مگر ڈرپوک اور سیرے
مجاہد فی سبیل اللہ۔ ان میں سے پہلا گروہ جسے فتناء فی المغربیت کے نام سے تعبیر
کیا گیا ہے۔ وہ لوگ ہیں جنہیں زمانہ تعلیم میں تعلیم اسلام سے بے بہرہ رکھا گیا
ہے۔ اور اس کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ یہ طبقہ نصاب تعلیم الاسلام یعنی قرآن و
حدیث کی بجائے نصاب تعلیم یورپ کا عالم بن گیا ہے۔ تہذیب اسلامی کی
بجائے تہذیب یورپ کا دلدادہ ہو گیا ہے۔ تمدن اسلامی سے متنفر ہو کر تمدن

یورپ کا قذافی ہے۔ عموماً یہ طبقہ وضع قطع، نشست و برخاست، خورد و نوش، اور لباس و پوشاک میں اپنے آپ کو پورین ثابت کرنا چاہتا ہے۔ لیکن افسوس ہے کہ ان بیچاروں کی پھر بھی دگت بن جاتی ہے کہ کالے گورے کا سوال کسی طرح حل نہیں ہو سکتا۔ لیکن

نہ ہر زن زن است و نہ ہر مرد مرد
خدا پنج انگشت یکساں نہ کر دیا

بفضلہ تعالیٰ اس تعلیم یافتہ طبقہ کا دوسرا گروہ زندہ دل اور قومی ضرورت کو من و عن سمجھنے والا بھی موجود ہے۔ لیکن افسوس کہ ان میں سے بعض حکام وقت اور حکومت سے خائف اور بعض اپنی خواہشات کی بناء پر برادران وطن سے اس قدر مرعوب ہیں کہ سچ "آنکھ جو کچھ دیکھتی ہے لب پر آسکتا نہیں" کا مصداق ہیں۔ ایسے لوگوں کا وجود قوم کے لئے سودمند نہیں۔ امدان کا ہونا نہ ہونے کے برابر ہے۔ یہ طبقہ اسلام اور مفاد قوم کو اپنی وقاداری کی پوری نقیض سمجھتا ہے۔ اس کے خیال میں یہ دونوں چیزیں ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتیں۔ وہ شاید یہ خیال کرتا ہے کہ میں نے ہندوئی قوم کا نام لیا تو ہتھکڑی اور جیلخانہ تیار ہے ملازمت کے بچن جانے کا خطرہ ہے۔ اس لئے یہ کہتا ہے کہ "ما بخیر و شام سلامت" عاقبت اسی میں ہے کہ دنیا میں مزے سے زندگی گزارو۔ آخرت کی خدا جانے سے

ناخدا در کشتی ما گر نباشد گو میباش

ما خدا داریم ما را ناخدا در کار نیست

تعلیم یافتہ طبقہ کا تیسرا گروہ جو مجاہد فی سبیل اللہ کہلاتا ہے۔ وہ اگرچہ قلیل بلکہ اقل ہے۔ مگر ان کا وجود کفر کے لئے خارجہ چشم، ان کی تحریر کفر کے لئے سیف قاطع ان کی تقریر کفر کے حق میں پیغام موت اور ان کی نقل و حرکت کفر کے وجود میں نشر جراح ہے۔ علماء و بانی جو ضروریات قومی سے آشنا ہیں۔ ان کے بعد اگر کوئی گروہ قوم کی صحیح قیادت کر سکتا ہے۔ تو وہ یہی مجاہد فی سبیل اللہ کا گروہ ہے اگر یہ مدلول گروہ باہم مل کر کسی قوم کی امامت کا بیڑہ اٹھائیں۔ یا خوش قسمتی سے کوئی ایسی قابل ہستی مل جائے جو ہر دو طبقات کے حملا و صفات کی پوری پوری حامل ہو۔ تو پھر نور علی نور ہے۔ اور وہی شخص قوم کا قائد اعظم کہلانے کا مستحق ہے۔ وہی قابل قہد ہے۔ اور اس کا وجود قوم کے لئے از بس غنیمت ہے۔ اسی کی امامت قوم کے لئے داعی الی الجنۃ ہو سکتی ہے۔ اور اس کے علاوہ باقی تمام جماعتوں کی امامت مسلمانوں کیلئے داعی الی النار کا حکم رکھتی ہے۔

تیسرے مسلمانوں کا دولت مند طبقہ ہے۔ یہ طبقہ عموماً زیر پرستی میں محو اپنے تعیش کا دلدادہ اور ضروریات زندگی سے قطعاً تاواقف ہے۔ باقی رہا طبقہ عوام تو وہ کا الالعام ہے۔ وہ نانِ ثبیتہ کا محتاج ہے۔ اس قدر افلاس میں اس کو اتنی فرصت ہی نہیں کہ خود کچھ سمجھ سکے۔ وہ تو جس کے ہاتھ میں پڑ گیا۔ اسی کا راگ الاپنے

لگ گیا۔ اگر کسی عالم سود نے اسے شکار کر لیا۔ تو اسی کا ہو گیا۔ اگر کسی
 بے دین دُستدار کا ملازم ہو گیا۔ تو اسی کے خیالات میں رنگا گیا۔ ان کی تو
 اپنی کوئی رائے ہی نہیں۔ ۵

تھا جو ناخوب بتدریج وہی خوب ہوا
 کہ غلامی میں بدل جاتا ہے قوموں کا خمیر!



امامت کا انحصار

دل مُردہ نہیں ہے، اسے زندہ کر دوبارہ
 کہ یہی ہے اُمتوں کے مرضِ کہن کا چارہ !
 جب تاریخِ عالم پر نظر ڈالتے ہیں۔ اور نظامِ عالم کا نقشہ دیکھتے ہیں۔ اور
 مختلف قوموں کی امامت پر نگاہ کرتے ہیں۔ تو سب سے پہلے یہ امر قابلِ غور معلوم
 ہوتا ہے۔ کہ اس دنیا میں امامت و قیادت کا مدار آخر ہے کس چیز پر؟ وہ چیز کیا
 ہے۔ جسکی بنا پر کبھی مصر امام بنتا ہے۔ اور دنیا اس کے پیچھے چلتی ہے۔ کبھی بابل
 امام بنتا ہے اور دنیا اس کی پیروی کرتی ہے۔ کبھی یونان امام بنتا ہے اور دنیا
 اس کا اتباع کرتی ہے۔ کبھی مسلمان امام بنتے ہیں اور دنیا ان کے نقشِ قدم پر چل
 لیتی ہے۔ اور کبھی یورپ امام بنتا ہے۔ اور دنیا اسکی متبع بن جاتی ہے۔ پھر
 کیا چیز ہے؟ جس کی وجہ سے امامت آج ایک کو ملتی ہے۔ کل اس سے جھن کر
 دوسرے کے پاس چلی جاتی ہے اور پھر وہاں اس سے بھی سلب ہو کر تیسرے کی طرف
 منتقل ہو جاتی ہے۔ کیا یہ محض ایک بے ضابطہ یا اتفاقی امر ہے۔ یا اس کا کوئی

خدا علیہ اور اصول بھی مقرر ہے۔

سو اس مسئلے پر جتنا زیادہ غور کیا جائے۔ اس کا جواب یہی ملتا ہے۔ کہ

ہاں! اس کا ایک عنایتہ ہے۔ اسکی ایک اصل ہے اور اس کا ایک کلیہ

ہے۔ اور وہ یہ ہے۔ کہ امامت کا دامن ہمیشہ علم کے ساتھ وابستہ رہا ہے۔

انسان کو یہ حیثیت ایک نوع کے زمین کی خلافت ملی ہی علم کی وجہ سے

ہے۔ اس کو سمع البصر اور فواد تین چیزیں ایسی دی گئی ہیں۔ جو دوسری مخلوق

مخلوقات ارضی کو یا تو نہیں دی گئیں یا اس کی بہ نسبت کم دی گئی ہیں۔ اسلئے

وہ اس بات کا اہل ہوا ہے کہ دوسری مخلوقات پر خداوند عالم کا خلیفہ بتایا

جائے۔ اور وہ امیر المخلوقات بن کر تمام دنیا پر حکومت کرے۔

اب خود اس نوع میں سے جو طبقہ یا گروہ علم کی صفت میں دوسرے طبقوں

اور گروہوں سے آگے بڑھ جائے گا۔ اور اپنی علمی استعداد میں سب پر گئے

سبق حاصل کر لے گا۔ وہ اسی طرح ان سب کا امام بنے گا۔ جس طرح انسان

من حیث النوع دوسری انواع ارضی پر اسی چیز کی وجہ سے خلیفہ بننے کا اہل

ہوا ہے۔

بنی آدم از علم یابد کمال

نہ از حشمت و جہاد و مالی و منال!

اب یہاں دوسری بات جو قابل غور ہے۔ وہ یہ ہے۔ کہ علم سے مراد کیا ہے؟

59
20
39

86
156

57

59

اور اس میں آگے بڑھنے اور پیچھے رہ جانے کا مفہوم کیا ہے؟ سو اس مسئلہ کا حل سمجھ، بصیر اور فواد ہی کے الفاظ میں پوشیدہ ہے۔ کلام الہی میں یہ تینوں لفظ مجرّد سننے، دیکھنے اور سوچنے کے معنی میں ہی استعمال نہیں ہوئے۔ بلکہ سمجھ سے مراد دوسروں کی ذرا سمجھ کر وہ معلومات حاصل کرتا ہے۔ بصیر سے مراد خود مشاہدہ کر کے واقفیت بہم پہنچانا ہے۔ اور فواد سے مراد ان دونوں ذرائع سے حاصل کی ہوئی معلومات کو مرتب کر کے نتائج اخذ کرنا ہے۔ اور یہی تین چیزیں مل کر وہ علم بنتا ہے جس کی قابلیت انسان کو دی گئی ہے۔ بر سبیل الاملاق اگر دیکھا جائے تو تمام انسان ان تینوں قوتوں سے کام لے رہے ہیں۔ اور اسی وجہ سے مخلوقات ارضی پر خلیفانہ تسلط ہر انسان کو حاصل ہے۔ ذرا زیادہ تفصیل کے ساتھ دیکھئے گا۔ تو معلوم ہوگا کہ جو انسان انفرادی طور پر ان تینوں قوتوں سے کام لے رہے ہیں۔ وہ پست اور مغلوب رہتے ہیں۔ انہیں تلج اور مطیع بن کر رہنا پڑتا ہے۔ ان کا کام پیچھے پلنا ہوتا ہے۔ بخلاف اس کے جو لوگ ان تینوں قوتوں سے زیادہ کام لیتے ہیں وہ برتر اور غالب ہوتے ہیں۔ مقبرع اور مطلع بنتے ہیں۔ رہنمائی و پیشوائی انہیں کے حصے میں آتی ہے۔

ترا علم در دین و دنیا تمام

کہ کار تو از مسلم گیرد نظام!

مگر امامت ملنے اور چھٹنے کا ضابطہ معلوم کرنے کے لئے آپ کو اس سے بھی

از زیادہ تفصیلی نگاہ ڈالنی ہوگی۔ اس تفصیلی نگاہ میں آپ کو یہ حقیقت نظر آئے گی کہ ایک گروہ انسانوں کا امام اس وقت بنتا ہے۔ جب وہ ایک طرف ان معلومات کا زیادہ سے زیادہ حصہ جمع کرتا ہے۔ جو ماضی اور حال کے انسانوں سے حاصل ہو سکتی ہیں۔ دوسری طرف خود اپنے مشاہدہ سے مزید معلومات فراہم کر کے ان میں لگا رہتا ہے۔ تیسری طرف ان دونوں قسم کی معلومات کو مرتب کر کے ان سے نتائج اخذ کرتا ہے اور پھر ان نتائج سے کام لیتا ہے۔ پہلے کی جو چیزیں غلط تھیں۔ کم از کم اس کے اخذ کردہ نتائج کے لحاظ سے غلط ثابت ہوتی ہیں۔ ان کی اصلاح کرتا ہے۔ پہلے کی جن چیزوں کا نقص تھا۔ کم از کم اس کے فہم کے لحاظ سے۔ اس پر کھلتا ہے۔ ان کی تکمیل کرتا ہے اور جو نئی چیز علم میں آتی ہے۔ ان سے اپنی طاقت کے مطابق زیادہ سے زیادہ کام لینے کی کوشش کرتا ہے۔ یہ صفات جب تک اس گروہ میں تمام دوسرے انسانی گروہوں سے زیادہ رہتی ہیں۔ اس وقت تک وہ اپنی پوری نوع کا امام بنا رہتا ہے۔ اور امامت کا جلیل القدر منصب اس کے شایان شان ہوتا ہے۔

اور جب اس قدر عروج کے بعد اس گروہ کے زوال کا وقت آتا ہے۔ تو وہ محکم کر اپنے کئے ہوئے کام کو کافی سمجھ کر مشاہدہ سے مزید معلومات حاصل کرنے اور نوا سے مزید نتائج اخذ کرنے کی کوشش چھوڑ دیتا ہے۔ اور اس کا تمام ہر تہ

علی صرف سمع سے حاصل شدہ معلومات تک محدود ہو کر رہ جاتا ہے۔ اب اس کے لئے علم کے معنی صرف جاننے کے ہو جاتے ہیں۔ کہ پہلے جو معلومات حاصل گئی تھیں۔ اور جو نتائج اخذ کئے گئے تھے وہ کیا تھے۔ اب وہ اس غلط فہمی میں پڑ جاتا ہے۔ کہ جو علم پہلے حاصل کیا جا چکا ہے۔ وہ کافی ہے۔ اس میں کسی اضافہ کی گنجائش نہیں۔ پہلے جو نتائج اخذ کئے جا چکے ہیں وہ صحیح ہیں۔ ان میں کسی اصلاح و ترقی کا موقع نہیں۔ پہلے جتنی تعمیر ہو چکی ہے۔ مکمل ہے۔ اس میں ترمیم ہی کی جاسکتی ہے۔ اور نہ اس سے آگے مزید تعمیر ہی ممکن ہے۔ اس مرحلہ پر پہنچ کر یہ گروہ خود امامت سے ہٹ جاتا ہے اور نہ ہٹنا چاہے زبردستی مٹا دیا جاتا ہے۔

وہ قوم نہیں لائق ہنگامہ فردا
جس قوم کی تقدیر میں امروز نہیں ہے!

پھر جو دوسرا گروہ مزید اکتساب علم، مزید اخذ نتائج اور مزید تعمیر حیات عزم لے کر آگے بڑھتا ہے۔ امامت و قیادت اس کا حصہ ہوتی ہے۔ اور صاحب جو پہلے امام تھے۔ اب مقتدی بنتے ہیں۔ جو پہلے مطالع و متبوع تھے۔ اب مطیع و تابع بنتے ہیں۔ جو پہلے جیتے جاگتے علم کے مالک اور دنیا کے استاد بنے تھے۔ اب عجائب خانہ، آثار قدیمہ میں بھیج دئے جاتے ہیں۔ تاکہ سچے علیم اداکل کو قتل کرتے رہیں۔

امامت کا حصول

ہے مریدوں کو تو حق بات گوارا لیکن
شیخ و ملا کو بڑی لگتی ہے درویش کی بات !

امامت خواہ وہ آگ کی طرف چلانے والی ہو یا جنت کی طرف۔ بہر حال
اس گروہ کا حصہ ہے۔ جو سمیع، بصیر اور فواد کو تمام انسانی گروہوں سے بڑھ کر
استعمال کرے۔ یہ انسان کے حق میں اللہ تعالیٰ کا بنایا ہوا اکل ضابطہ ہے۔ اور
اس میں کوئی رد و رعایت نہیں ہے۔ کوئی گروہ خدا شناس ہو یا نا خدا شناس
بہر حال وہ یہ شرط پوری کرے گا۔ تو دنیا کا امام بن جائے گا۔ اور نہ کرے گا تو
مقتدی ہی نہیں بلکہ اکثر حالات میں مطیع بھی بننے سے نہ بچ سکے گا۔ اور خسرۃ
الدنیا و الآخرة کا مصداق بن کر رہ جائے گا۔

مسلمانوں کو جس چیز نے امامت کے منصب سے گرایا۔ اور نا خدا شناس
گروہ اہل مغرب کو اس پر لا بھٹایا۔ وہ دراصل ہی ضابطہ ہے۔ آپ کے ہاں مدت
اتنے دراز سے علم کی جو حالت تھی اس میں بصیر اور فواد دونوں معطل تھے۔ اور

سمیع کا کام بھی صرف پہلے کی حاصل شدہ معلومات فراہم کرنے تک محدود تھا۔
 خلافت اس کے ناخدا شناس یورپ علم کے میدان میں آگے بڑھا۔ اس نے سمیع
 سے بھی آپ سے بڑھ کر کام لیا۔ اور بصیر و فواد کا کام تو پچھلی ڈھائی تین صدیوں
 تمام تر اس نے انجام دیا۔ اس کا لازمی نتیجہ یہی ہونا تھا اور یہی ہوا کہ وہ امام
 گئے اور آپ مقتدی بن کر رہ گئے۔ آپ کی دینی تعلیم کے تمام مراکز ابھی تک
 اپنی اس فلفلی پراڑ سے جوتے ہیں۔ ان کے ہاں علم محض علوم اداہل کے پڑھنا
 تک محدود ہے۔ اگر انہوں نے کسی قدر اصلاح کی طرف تسم بڑھایا۔ تو اس
 بھی صرف اس قدر ہے۔ کہ سمیع کا دائرہ حالی کی معلومات تک بڑھا دیا جائے۔
 اور فواد پھر بھی معطل کے معطل ہی رہے۔ اس علم کا فائدہ زیادہ سے زیادہ اگر کچھ
 سکتا ہے۔ تو وہ یہی ہے۔ کہ آپ گھٹیا قسم کے نہ سہی۔ بڑھیا قسم کے مقتدی بن
 جائیں۔ امامت بہر حال آپ کو نہیں مل سکتی۔ حالانکہ دنیا کی واحد خدا شناس
 جماعت ہونے کی وجہ سے آپ پر جو فرض عائد ہوتا ہے۔ اس کو آپ انجام
 دے سکتے۔ جب تک کہ آپ ناخدا شناس لوگوں سے دنیا کی امامت کا
 چھین کر خود اس پر قبضہ نہ کریں۔ اور اس کی اس کے سوا کوئی صورت نہیں ہے
 کہ آپ مجرّد سماعی علم پر قناعت کا خیال چھوڑ دیں۔ اور بصیر و فواد سے نہ صرف
 کام لیں۔ بلکہ اس میں دنیا کے تمام گروہوں پر فوقیت لے جائیں۔
 قناعت نہ کر عالم رنگ و بو پر۔ چین اور کبھی آشتیاں اور بھی ہیں۔

نا خدا شناس یورپ خدا سے بغاوت اور طغیان کی بنا پر دنیا کی امامت
 کر رہا ہے۔ اور آگ کیطرت ساری دنیا کو لے جا رہا ہے۔ وہ محض ایک انسانی
 گروہ ہونے کی حیثیت سے سب کی قیادت کرنی چاہتا ہے۔ برخلاف اس کے
 آپ ایک خدا شناس گروہ انسانی ہیں۔ آپ کے مسلک کی بنیاد اطاعت باللہ
 پر ہے۔ آپ کے ایمان کی رو سے آپ پر یہ فرض عائد ہوتا ہے۔ کہ نہ صرف خود
 آگ کے راستے سے بچ کر جنت کے راستے پر جائیں۔ بلکہ دنیا کو بھی اسی راستے
 پر چلائیں اور یہ فرض آپ انجام نہیں دے سکتے۔ جب تک کہ آپ ان سے
 امامت چھین کر خود امام نہ بنیں۔ نا خدا شناسی کی امامت خواہ کسی کی ہو۔ وہ اسی
 طرح مٹا دینے کے قابل ہے جس طرح فرنگی کی اور مطلوب بالذات دراصل ہی
 امامت ہے۔ جس کی بنیاد خدا شناسی پر ہو۔ خواہ اس کے علمبردار عربی ہوں یا
 ایرانی اور ہندی ہوں یا پنجابی۔

ہر لحظہ ہے مومن کی نئی شان نئی آں

گفتار میں، کردار میں اللہ کی برہان!

کسی امامت کے داعی الی الجنتہ یا داعی الی النار ہونے کا مدار بالکل اس
 کے خدا شناس یا نا خدا شناس ہونے پر منحصر ہے۔ جب کوئی ایسا گروہ جو
 خدا شناس نہ ہو۔ اپنے علمی اجتہاد کی بدولت دنیا کا امام بن جاتا ہے۔ تو
 تمام سمعی اور بصری معلومات کو اسی نقطہ نظر سے جمع کرتا ہے۔ اور اسی نقطہ نظر

کے مطابق انہیں مرتب کرتا ہے۔ کہ اس کائنات کا کوئی خدا نہیں ہے انسان
محض ایک غیر مسئول (Irresponsible) ہستی ہے۔ دنیا کی جو
چیزیں اس کے لئے مسخر ہیں۔ وہ سب اس کی ملک ہیں۔ جن سے کام لینے کا مقصد
اور طریقہ متعین کرنے میں وہ خود مختار محض ہے۔ اور اس کی تمام سعی و جہد کا
منتہائے مقصد اس کے سوا کچھ نہیں۔ کہ اپنی خواہشات نفس کی خدمت کرے۔
معلومات کے اس اساس پر مرتب ہونے کا نتیجہ یہ ہوتا ہے۔ کہ حکمت نظری
اور حکمت عملی دونوں کا فتوہ مذاہن پرستی کی بالکل مخالف سمت میں ہوتا ہے۔
یہی حکمت تمام دنیا کے قلوب و اذان پر چھا جاتی ہے۔ اسی سے مادہ پرستانہ
اخلاقیات پیدا ہوتے ہیں۔ اسی پر انسان اور انسان کے درمیانی تعلق کے تمام
ضابطے بنتے ہیں۔ اور فی الحکمہ ساری انسانی زندگی کا بسا اوس راستے کی طرف
چل پڑتا ہے جس کی آخری منزلوں پر پہنچ کر اس دنیا ہی سے عذابِ جہنم کی ابتدا
ہو جاتی ہے۔

خداوند! یہ تیرے سادہ دل بندے کہہ رہا ہیں

کہ درویشی بھی عیاری ہے، سلطانی بھی عیاری!

یہ خدا شناس حکمت جب تک دنیا کے افکار، اخلاق، تمدن اور ہر چیز

پر چھائی رہتی ہے۔ خدا شناسی کے نقطہ نظر اور اس کے افکار و افکار کے لئے زمین

آسمان کے درمیان کوئی جگہ نہیں رہتی۔ لوگوں کے سوچنے کا انداز اس کے خلاف

ہوتا ہے۔ طبائع کی اقتاد اور مزاجوں کی پسند اس کے برعکس ہوتی ہے اخلاق کے سارے اصول اور قدر و قیمت کے سارے معیار اس سے منحرف ہو جاتے ہیں زندگی کے تمام ضابطے اور انسانی سعی و عمل کے سارے منہگاہے اس کو اپنے درمیان جگہ دینے سے انکار کر دیتے ہیں۔ اور اس صورت حال میں صرف یہی نہیں ہوتا۔ کہ خدا پرستی کے مسلک کی ہر چیز دنیا میں نامقبول اور نامعقول ہو کر رہ جاتی ہے۔ بلکہ خود وہ لوگ جو اس مسلک کی پیروی کا دعویٰ کرتے ہیں۔ فی الواقع اس کی پیروی کر نہیں سکتے۔ زندگی کے ہر یا کا ہماؤ زبردستی کھینچ کر ان کو اپنے راستے پر لے جاتا ہے۔ اور اس کے خلاف زیادہ سے زیادہ کشمکش وہ پس اتنی ہی کر سکتے ہیں کہ مہر کے بل بہنے کی بجائے احتجاجاً پاؤں کے بل بہیں۔

اٹھائیں مدرسہ و خانقاہ سبے غمناک

نہ زندگی نہ محبت نہ معرفت نہ نگاہ!

جو گروہ خیالات کے میدان میں امام بنتا ہے۔ اور کائنات فطرت کی طاقتوں کو اپنے علم سے مسخر کر کے ان سے کام لیتا ہے۔ اس کی امامت صرف خیالات ہی کے عالم تک محدود نہیں رہتی۔ بلکہ زندگی کے پورے دائرہ پر چھا جاتی ہے۔ زمین پر اس کا تسلط ہوتا ہے۔ رزق کی کنجیاں اس کے قبضے میں ہوتی ہیں کیا نہ اختیارات اسے حاصل ہوتے ہیں۔ اس لئے انسانی حیات اجتماعی کا سارا کاروبار اس ڈھنگ اور اس نقشے پر چلنے لگتا ہے۔ جس پر وہ گروہ اپنی ذہنیت

اور اپنے خیالی زاویہ نظر کے مطابق اسے چلانا چاہتا ہے۔ اب یہ ظاہر ہے کہ اگر وہ گروہ جس کو یہ تسلط دینا اور اس کے معاملات پر حاصل ہے۔ خدا سے پھراٹھا ہو۔ تو اس کے حیطہ اقتدار میں رہتے ہوئے کوئی ایسا گروہ پنپ نہیں سکتا۔ جو خدا کی طرف پھرنا چاہتا ہو۔ مثال کے طور پر جس گاڑی میں آپ بیٹھے ہوئے ہیں۔ اگر اس کا ڈرائیور اسے کلکتہ کی طرف لے جا رہا ہو۔ تو آپ کراچی کی طرف جا ہی کب سکتے ہیں۔ چاروٹا چار آپ کو اسی طرف جانا پڑے گا۔ جدھر ڈرائیور جانا چاہتا ہے۔ آپ بہت بگڑیں گے تو اتنا کر لیں گے۔ کہ اسی گاڑی میں بیٹھے ہوئے اپنا رخ کلکتہ سے کراچی کی طرف پھیر لیں۔ اور برصاوت و رغبت نہ سہی کشاد کشاں اس منزل پر جا پہنچیں جو آپ کی منزل مقصود کے عین مخالف سمت میں واقع ہے۔ یہی صورت حال فی الواقع اس وقت ہندوستانی مسلمانوں کے لئے درپیش ہے۔

شکایت ہے مجھے یارب خداوندانِ کتب سے
سبق شاہین بچوں کو دے رہے ہیں خاکبازی کا!

امامت کی علوت

تیسرا امام بے حضور، تیری نماز بے سرور
ایسی نماز سے گذر، ایسے امام سے گذر! سر

جب مسلمانوں کے علمی انحطاط کے بعد یورپ نے علم کے میدان میں پیش قدمی کی۔ تو ناگزیر اسباب نے اس کی نگاہ کا زاویہ خدا سے بیزار کی طرقت پھیر دیا۔ اسی نقطہ نظر سے اس نے مقام سمعی معلومات کو جمع کیا۔ اسی نقطہ نظر سے اس نے آثار کائنات کا مشاہدہ کیا۔ اسی نقطہ نظر سے اس نے معلومات کو مرتب کر کے نتائج اخذ کئے۔ اسی نقطہ نظر سے اس نے زندگی کے مقاصد، اخلاق کے اصول، تمدن کے ضوابط، اور انفرادی و اجتماعی برتاؤ کے ڈھنگ متعین کئے۔ اور اسی نقطہ نظر سے اس نے ان تمام قوتوں کے مصرف تجویز کئے۔ جو اسے تحقیق و اجتہاد کی بدولت حاصل ہوئی تھیں۔ پھر جب اس علم کے زور پر وہ اٹھا تو ایک طرف زمینیں کی زمینیں اور قومیں کی قومیں اس کے آگے مسخر ہوئی چلی گئیں۔ اور دوسری طرف دہی علم، دہی ذہنیت، دہی مقاصد، دہی

غایات، وہی فکری ساخت، وہی اخلاقی روش، وہی تمدنی قواعد و ضوابط
 غرض وہی سب کچھ جو اس امام غالب کے پاس تھا۔ تمام دنیا پر چھا گیا۔ اب یہ
 حال ہے کہ ایک بچہ جبکے ہوش سنبھالتا ہے۔ اسی وقت سے اس کے ذہن اور
 اس کی زندگی کی تعمیر اس نقشے پر ہونے لگتی ہے۔ جو یورپ کی امامت نے بتایا ہے
 سہی معلومات اسی ترتیب سے اس کے دماغ میں اترتی ہیں۔ مثلاً وہ کے لئے وہی
 نقطہ نظر سے ملتا ہے۔ نتائج اخذ کرنے کی ساری تربیت اسی طرز پر اسے حاصل
 ہوتی ہے۔ حق اور باطل، صحیح اور غلط، مقبول اور مردود کی تعین کے لئے وہی
 معیار اسے میسر آتا ہے۔ اخلاق کے وہی اصول، زندگی کے وہی مقاصد اور
 سہی و عمل کے وہی راستے اس کے سامنے روشن ہوتے ہیں۔ اور اپنے گرد و پیش
 زندگی کا سارا کارخانہ اسی ڈھنگ پر اسے چلتا ہوا ملتا ہے۔ اور جب وہ اس طرح
 پروان چڑھنے کے بعد چراگاہ حیات میں حصہ لینے کے لئے تیار ہوتا ہے۔ تو چونکہ
 یہی ایک مشین دنیا میں چل رہی ہے۔ اور کوئی دوسری مشین چلنے والی موجود نہیں ہے
 اس لئے اسی کا پرزہ اس کو دین جانا پڑتا ہے۔ اور ہر چہ درکان نمک و زفت
 نمک شد کا مصداق بن جاتا ہے۔

انسان کا نصیب نہ انسان کے بس میں ہو

انسانیت نہ پیر و شیطان کے بس میں ہو

ناخدا شناس تہذیب و تمدن کے اس کامل تسلط میں ادل تو یہی سخت مشکل ہے

کہ خدا پرستانہ نظریہ حیات، مقصد زندگی اور اصول اخلاق کو دلیل اور مانعوں میں راہ مل سکے۔ کیونکہ علوم و فنون کی ساری ترتیب اور زندگی کی پوری روش اس کے بالکل مخالفت سمت میں پھری ہوئی ہے۔ لیکن اگر کچھ لوگ ایسے بھی نکل آئیں۔ جن کے ذہن میں یہ تخم جڑھ پکڑ لے۔ تب بھی گرد پیش کی پوری فضا اس کو قذا دینے سے انکار کر دیتی ہے۔ اس کو نہ کہیں علوم سے تائید ملتی ہے۔ نہ زندگی کے بنے اور چھے ہوئے نقشے اس کا ساتھ دیتے ہیں۔ نہ دنیا کے چلتے ہوئے معاملات ہی میں کہیں اسکی جگہ نظر آتی ہے۔ جب قدر معلومات گذشتہ پانسو برس کی مدت میں انسان کو حاصل ہوئی ہیں۔ ان کو مرتب کرنے اور ان سے نتائج اخذ کرنے کا سارا کام ناخدا شناس لوگوں نے کیا ہے۔ خدا پرستی کے نقطہ نظر سے انکی ترتیب بگاڑ اور اخذ نتائج کا کوئی کام ہوا ہی نہیں۔ فطرت کی جو طاقتیں اس دوران میں انسان کے لئے مسخر ہوئیں۔ اور قوانین طبعی کی مزید دریافت سے جو فوائد حاصل ہوئے ہیں۔ ان سے بھی خدا پرستوں نے نہیں بلکہ خدا کے باغیوں نے کام لیا۔ اسلئے ناگزیر تھا۔ کہ تمدن انسانی میں ان سب کا مصرت وہی مقرر ہوتا۔ جو ان کے مقاصد زندگی اور اصول اخلاق کے مناسب حال تھا۔ اسی طرح اجتماعی معاملات کی تنظیم کے جتنے نظریہ خا کے اور عملی طریقے اس دوران میں سوچے۔ اور عملاً چلائے گئے۔ ان سب کے سوچنے اور چلانے والے وہ دماغ اور وہ ہمت نہ تھے۔ جن پر خدا پرستی کا مسلک فرمانردا ہوتا۔ بلکہ وہ تھے۔ جو خدا کی اطاعت سے

منحرف تھے۔ اس لئے نظریات اور عملیات کے میدان پر آج سائے کے سائے
 وہی نقشے چھلنے پھٹنے میں ہیں۔ جو انہوں نے بنائے ہیں۔ اور ایسا کوئی نقشہ جو خدا
 پرستانہ مسلک کی بنیاد پر بنایا ہو۔ عملاً تو کیا موجود ہوتا۔ نظریے کی شکل میں بھی ایسی
 تفصیلی ترتیب کے ساتھ مرتب نہیں ہے۔ جو آج کے حالات سے ربط رکھتا ہو۔ اور
 جس میں آج کے مسائل حیات کا پورا پورا حل مل سکے۔ اب اگر اس مسلک پر اعتقاد
 رکھنے والا کوئی شخص راہب بن کر دنیا اور اس کی زندگی سے الگ تھاگ کسی گوشے
 میں جا بیٹھے۔ اور پانسو برس سے پہلے کی فضا اپنے اوپر طاری کر لے۔ تب تو بات
 دوسری ہے۔ ورنہ اس دنیا کے معاملات میں ایک زندہ انسان کی حیثیت سے
 حصہ لینے کی صورت میں تو قدم قدم پر اس کے لئے مشکلات ہی مشکلات ہیں۔ اپنے
 مسلک میں نیک نیت اور صحیح الاعتقاد ہونے کے باوجود بار بار وہ ناوائستہ ان
 فکری اور عملی راہوں پر چل پڑتا ہے۔ جو اس کے مسلک سے بالکل مختلف ہیں۔ نئی
 معلومات جب اس کے سامنے آتی ہیں۔ تو اس کے لئے سخت دشوار ہوتا ہے۔ کہ
 حقائق (Facts) کو ان ناخدا شناس لوگوں کے نقطہ نظر اور اخذ کردہ نتائج
 سے الگ کر سکے۔

جنہوں نے ان کی دریافت، ترتیب اور استنباط کا سارا کام انجام دیا ہے اسے
 اکثر وہ اس طرح حقائق کے ساتھ ان کے نظریات اور نتائج کو بھی مفہم کر جاتا ہے کہ اسے اس امر کا شعور
 تک نہیں ہوتا کہ امرت کے ساتھ تقنا زہر اس کے اندر اتر گیا۔ اسی طرح زندگی کے
 عملی معاملات سے جب اس کو واسطہ پیش آتا ہے۔ تو وہ سخت مشکل

میں پڑ جاتا ہے کہ کوئی راہ اختیار کرے۔ بہت سے اجتماعی نظریات جو فی الما اصل
 اس مسلک کے خلاف ہیں۔ اس کے دل و دماغ پر زبردستی چھاجاتے ہیں۔ کیونکہ دنیا
 میں ہر طرف چلن ہی ان کا ہے۔ بہت سے عملی طریقوں کو غلط سمجھنے کے باوجود محض
 اس بنا پر وہ اختیار کرتا ہے۔ کہ ان سے ہٹ کر وہ کوئی دوسری راہ بیونچ نہیں سکتا۔
 اور بہت سی غلط راہوں پر اسے مجبوراً اسیلے چلنا پڑتا ہے۔ کہ ان پر چلے بغیر کوئی
 چارہ کار ہی نہیں ہے۔

ملا کو جو ہے ہند میں مسجد سے کی اجازت
 ناداں یہ سمجھتا ہے، کہ اسلام ہے آزاد!

امامت کا انقلاب

نہ ہو نومید، نومیدی زوالِ علم و عرفاں ہے
امید مودِ مومن ہے، خدا کے راز دانوں میں!

نا خدا شناس آئمہ کی امامت میں رہ کر خدا شناسی و خدا پرستی کا مسدک
زندہ نہیں رہ سکتا۔ لہذا ہر مسلمان جو اس مسلک پر اعتقاد رکھتا ہو اَطِيعُوا اللہَ
وَاطِيعُوا الرَّسُولَ کا نام لیا ہو۔ اس کے عین ایمان و اعتقاد کا اقتضایہ ہے۔ کہ
اس امامت کو مٹائے اور خدا شناس امامت کو دنیا میں قائم کرنے کے لئے تیار ہو
جائے۔ جو نظام تعلیم محض پرانے سمعی علوم کی حد تک محدود ہے۔ اس میں یہ طاقت
ہرگز نہیں ہے۔ کہ امامت میں اتنا بڑا انقلاب کرنے کے لئے آپ کو تیار کر سکے۔
لہذا اگر آپ چاہتے ہیں۔ کہ دنیا کی امامت و قیادت کی باگیں علماء اسلام کے ہاتھ
میں آجائیں اور وہ دنیا جو آج آگ کی طرف چلائے والے آئمہ کے پیچھے چل رہی ہے
جہت کی طرف بلائے والے آئمہ کی رہبری قبول کرتے کے لئے مجبور ہو جائے۔ تو اس
مقصد کے حاصل کرنے کے لئے آپ کو مکمل انقلابی اصلاحات کیلئے تیار ہونا پڑے گا۔

اور اپنے سارے نظام تعلیم کو ادھیڑ کر از سر نو ایک دوسرا ہی نظام تعلیم بنانا ہوگا۔
 جو نظام تعلیم تمام علوم کو اسی ترتیب اور اسی زاویہ نظر سے لیتا ہے۔ جو
 ناخدا شناسی، آئمہ کی ترتیب اور زاویہ نظر ہے۔ اور جو اس تمدنی نشین کا پرزہ
 بننے کے لئے انسانوں کو تیار کرتا ہے۔ جو آئمہ غلال نے بنائی ہے۔ وہ دراصل ارتداد
 کا بھرتا ہے۔ اس سے بڑھ کر کوئی فریب نہیں ہو سکتا۔ کہ اس نوعیت کی کسی
 تعلیم کا، پر مسلم لیونیورسٹی یا اسلامیہ کالج یا اسلامیہ ہائی سکول کے الفاظ کا اطلاق
 کیا جائے۔ اور اس تعلیم کے ساتھ دینیات کے کسی کورس کو الگ سے لاکر جوڑ دینا
 بچا نوے فیصدی تو بالکل ہی لاعا عمل ہے۔ اور پانچ فیصدی فائدہ اگر اس سے
 حاصل ہو بھی سکتا ہے۔ تو وہ بیش ازین نیست۔ کہ لوگ کچھ مدت تک کفر کے
 راستے پر خدا کا نام لیتے ہوئے چلتے رہیں۔

اٹھائیں مدرسہ و خالقاہ سے غمناک

نہ زندگی نہ محبت نہ معرفت نہ نگاہ!

اصلاح تعلیم کا یہ الاسخ کہ علوم اسلامی کے ساتھ نئے علوم کا جوڑ لگایا جائے
 یہ بھی امامت میں انقلاب کرنے کے لئے آپ کو تیار نہیں کر سکتا۔ اس لئے کہ
 فلسفہ، سائنس، تاریخ، سیاسیات، معاشیات اور دوسرے علوم جو اس وقت
 مدلل و مرتب صورت میں آپ کو ملتے ہیں۔ وہ سب کے سب ناخدا شناس لوگوں
 کی فکر و تحقیق کا نتیجہ ہیں۔ اور ان کی ترتیب و تدوین میں اس گروہ کا نقطہ نظر اس

طرح پیوست ہے کہ حقائق واقعیہ کو نظریات اور اورام و تعصبات اور اجماع
 نہ حقائق سے الگ بھانٹ لیتا اور خدا پرستی کے نقطہ نظر سے ان کو بطور
 خود مرتب کر کے دوسرے نظریات قائم کرنا ترہ مطالب علم کے پس کی بات ہے
 نہ ہر استاد کے پس کی۔ اب اگر آپ ایک طرف پرانے علوم کو پرانی ترتیب کے
 ساتھ اندئے علوم کو اس خاص ترتیب کے ساتھ حواس و قوت یا لی جاتی ہے
 ملا کر پڑھائیں گے۔ تو ان دو متضاد طاقتوں کے میل سے عجیب عجیب قسم کے
 مرکبات پیدا ہوں گے۔ کوئی پرانے علوم سے مغلوب ہوگا۔ تو مولوی بن جائے گا
 کوئی نئے علوم سے مغلوب ہوگا۔ تو مسٹریت کی طرف چلا جائے گا۔ بلکہ کامرڈیت
 تک جا پہنچے گا۔ کوئی دوطرف کے درمیان تذبذب کی حالت میں مضطرب ہو جائیگا
 بہت کم آدمی اس نظام تعلیم سے ایسے نکل سکتے ہیں جو دونوں قسم کے
 علوم کو جوڑ کر کسی صحیح مرکب بنا سکیں۔ اور ان کا بھی اس قدر طاقتور ہونا بہت مشکل
 ہے کہ اٹھ کر خیالات اور زندگی کے دھارے کو ایک طرف سے دوسری طرف
 پھیر دیں۔

پس اگر آپ ان مندرجہ بالا نظریات کو درست تسلیم کرتے ہیں۔ تو پھر امامت میں
 انقلاب کرنے کی اس کے سوا کوئی صورت نہیں کہ ان تینوں نظامات تعلیمی سے
 بٹ کر ایک بالکل نیا نظام تعلیم بنایا جائے۔ جس کا نقشہ ابتدائی تعلیم
 لیکچر شامی درجہ تک تینوں سے مختلف ہو اور اس سے قوم کی ترقی کی راہیں کھل جائیں۔
 اے طاہر لاہوری اس رزق سمجھتے ہیں۔ رزق سے الگ ہوا رزق کو تباہی

امامت کا علم

علم حق غیر از شریعت، هیچ نیست
اصل سنت جز محبت، هیچ نیست

مصول امامت کے لئے جس نظام تعلیم کی ضرورت ہے اس کی سب سے پہلی خصوصیت یہ ہے کہ دینی و دنیوی علوم کی انفرادیت کو مٹا کر دونوں کو ایک جہان کر دیا جائے۔ علوم کو دینی اور دنیوی دو الگ الگ قسموں میں منقسم کرنا دراصل دین اور دنیا کی علیحدگی کے تصور پر مبنی ہے۔ اور یہ تصور بنیادی طور پر غیر اسلامی ہے۔ اسلام جس چیز کو دین کہتا ہے۔ وہ دنیا سے الگ کوئی چیز نہیں ہے۔ بلکہ دنیا کو اس نقطہ نظر سے دیکھنا کہ یہ اللہ کی سلطنت ہے۔ اور اسے آپ کو یہ سمجھنا کہ ہم اللہ کی رعیت ہیں۔ اور دنیوی زندگی میں ہر طرح سے وہ رویہ اختیار کرنا جو اللہ کی رضا اور اس کی ہدایت کے مطابق ہو۔ اسی چیز کا نام دین ہے۔

اس تصور دین کا اقتضاء یہ ہے کہ تمام دنیوی علوم کو دینی علوم بنادیا جائے۔ ورنہ اگر کچھ علوم دنیوی ہوں۔ اور وہ خدا پرستی کے نقطہ نظر سے خالی رہیں۔ اور کچھ

دوسرے علوم دینی ہوں۔ اور وہ دنیوی علوم سے الگ پڑھائے جائیں۔ تو ایک سچے
 شریع ہی سے اس ذہنیت کے ساتھ پرورش پائے گا۔ کہ دنیا کسی اور چیز کا نام
 ہے۔ اور دین کسی اور چیز کا۔ اس کے لئے یہ دونوں دو مختلف عنصر ہوں گے۔
 اور ان دونوں کے درمیان توافق پیدا کر کے ایک ایسی ہموار زندگی بنانا اس کے
 لئے مشکل ہوگا۔ جو اَدْخُلُوا فِي السِّلْعِ كَافَّةً کی مصداق ہو سکے۔

مثال کے طور پر اگر آپ تاریخ، جغرافیہ، طبیعیات، کیمیا، حیاتیات
 (Biology) حیوانیات (Zoology) اراضیات (Geology)

میاضی، ماہیت (Astronomy) معاشیات (Economics)

سیاسیات اور دوسرے تمام علوم ایک شخص کو اس طرح پڑھاتے ہیں۔ کہ اقل سے
 آخر تک کسی جگہ خدا کا نام نہیں آتا۔ نہ آفاق و انفس کے آثار پر اس حیثیت سے
 نظر ڈالی جاتی ہے۔ کہ یہ آیات الہی ہیں۔ نہ قوانین طبعی کا ذکر اس حیثیت سے کیا
 جاتا ہے۔ کہ یہ ایک حکیم کے بنائے ہوئے ہیں۔ نہ واقعات کی توجیہ اس حیثیت سے
 کی جاتی ہے کہ ان میں کسی قادر و توانا کا ارادہ کام کر رہا ہے۔ نہ عملی علوم میں اس
 مقصد کا کہیں نشان پایا جاتا ہے۔ کہ ان سے خدا کی رضا کے مطابق کام لینا ہے۔ نہ
 معاملات زندگی کی بحث میں اس ضابطہ کا کہیں بیان آتا ہے۔ جو ان کو چلانے کے
 لئے خدا نے بتایا ہے۔ نہ ہرگز مشیت حیات میں اس کے الہی مہمراز و غایت کی
 بحث کسی جگہ آتی ہے۔ تو علوم کے اس پورے مجموعہ سے اس کے ذہن میں دنیا اور

اس کی زندگی کا جو تصور پیدا ہوگا۔ وہ خدا کے تصور سے بالکل خالی ہوگا۔ ہر چیز سے
 اس کا تعارف خدا کے بغیر ہوگا۔ اور ہر معاملہ میں وہ اپنا واسطہ خدا اور اس کی
 رعنا سے الگ بنائے گا۔ پھر حسیب تمام شعبوں سے یہ نقطہ نظر اور معلومات کی
 یہ ترتیب لئے ہوئے ایک شعبہ میں جا کر وہ الگ سے خدا کا ذکر کرنے لگا۔ اور ان
 مقاصد زندگی اور ان قوانین اخلاقی اور ان ضوابط شرعی کی تعلیم حاصل کرے گا۔
 جنہیں آپ دنیات کے لفظ سے تعبیر کرتے ہیں۔ تو اس کی سمجھ میں نہ آئے گا۔
 کہ اس نقشے میں خدا کو اور اس سے تعلق رکھنے والی ان ساری چیزوں کو کہاں جگہ
 دے۔ پہلے تو اسے خدا کی ہستی کا ثبوت ہی درکار ہوگا۔ پھر وہ اس بات کا ثبوت مانگے
 گا۔ کہ مجھے اس کی ہدایت درکار بھی ہے۔ اور اس کے پاس سے ہدایت آتی بھی ہے
 یا نہیں۔ اور ان سب باتوں کے بعد بھی اس کے لئے اپنی دنیوی معاملات کو اس نئی
 چیز کے ساتھ یکجان کر کے ایک ہم زندہ نقشہ بنانا مشکل ہوگا۔ وہ خواہ کتنا ہی سچپتہ
 ایمان لے آئے۔ مگر ہر حال اس کے لئے دین عین اس کی زندگی نہ ہوگا۔ بلکہ زندگی
 کا ایک ضمیمہ ہی بن کر رہ جائیگا۔

بیاں میں نکتہ توحید آ تو سکتا ہے

تیرے دماغ میں بت نہ ہو تو کیا کہئے !

یہ ساری خرابی دینی اور دنیوی علوم کی تقسیم کا نتیجہ ہے۔ اور یہ تقسیم بالکل اسلامی
 نقطہ نظر کے خلاف ہے۔ نئے نظام تعلیم میں دنیات کے الگ کورسز کی

محدود نہیں۔ بلکہ سارے کورس کو دنیاویات کے کورس میں تبدیل کر دینا چاہیے۔
 شریعہ ہی سے ہر ایک بچہ کو دنیا سے اس طرح روشناس کرائیے۔ کہ گویا وہ
 خدا کی سلطنت میں ہے۔ اس کے اپنے وجود میں اور تمام آفاق میں خدا کی آیات
 پھیلی ہوئی ہیں۔ ہر چیز میں۔ خدا کی حکمت اور قدرت کے آثار دیکھ رہا ہے اس کا
 اندہ ہر شے کا براہ راست تعلق خدا و ہر عالم سے ہے جو آسمان سے زمین تک
 تمام معاملات دنیا کی تدبیر کر رہا ہے۔ دنیا میں ملتی آتیں اس کو حاصل ہیں۔ اور
 جو اشتیاء اس کے لئے مستحضر ہیں سب کی سب خدا نے اس کو دی ہیں۔ ان سب
 سے خدا کی مرضی کے مطابق اور اس کے بتائے ہوئے طریقہ پر اسے کام لینا ہے۔ اور
 اپنے اس کام کی جواب دہی خدا کے سامنے اس کو کرنی ہے۔

اجتہاد کی مراحل میں تو کوئی دوسرا نقطہ نظر طالب علم کے سامنے آنا ہی نہیں
 چاہیے۔ البتہ بعد کے مراحل میں تمام علوم، اس کے سامنے اس طرح آنے چاہئیں
 کہ معلومات کی ترتیب، عقلانی کی توجہ، اور واقعات کی تعبیر تو بالکل اسلامی
 نقطہ نظر سے ہو۔ مگر اس کے مخالف تمام دوسرے نظریات بھی پوری تنقید و تنقیح
 کے ساتھ اس حیثیت سے اس کے سامنے رکھ دئے جائیں۔ کہ یہ ضالین اور
 مضبوط علیہ ہمد کے نظریات ہیں۔ اسی طرح عملی زندگی سے تعلق رکھنے والے
 جمہوری علوم کی بنیاد میں تو مفید حیات، اصول اخلاق اور منہاج عمل اسلام کے
 پرست کئے جائیں۔ اور دوسروں کے اصول اور طریقے اس حیثیت سے طالب علم

پڑھائے جائیں کہ ان کی فکری اساس، منزاج مقصود، اور راہ عمل اسلام سے
 کتنی اور کس کس پہلو سے مختلف ہے۔ یہ طریقہ ہے تمام علوم کو دینی علوم میں تبدیل
 کرنے کا۔ اور اس طریقہ سے تعلیم دی جائے تو ظاہر ہے کہ اس میں دنیاویات
 کے لئے کسی علیحدہ کورس کی کوئی حاجت ہی پیش نہیں آسکتی۔
 انسان کی ہوس نے جسے رکھا تھا چھپا کر
 کھلتے نظر آتے ہیں بتدریج وہ اسرار

امامت کی تعلیم

ہیتر اسکے ہو سکتی ہے یہ دنیا نہ وہ دنیا
مسلمان ہو کے جو پابند قرآن ہو نہیں سکتا

حصولِ امامت کیلئے جو نظامِ تعلیم درکار ہے۔ اس کی دوسری خصوصیت یہ
ہو کہ اس میں ہر طالب علم کو مجبورہ علوم بنانے کے بعد ہر ایک کو "مولانا" اور ہر ایک
کو جملہ مسائل میں فتویٰ کا مجاز قرار دینے کا وہ طریقہ جو اب تک رائج ہے ختم کر دیا
جائے۔ اور اس کی جگہ اختصا صی تعلیم کا وہ طریقہ اختیار کیا جائے جو سالہا
سال کے تجربات کے بعد دنیا میں مفید پایا گیا ہے۔ انسان کا علم اب اتنی ترقی
کر چکا ہے۔ اور اتنے شعبے اس میں پیدا ہو گئے ہیں کہ کسی ایک شخص کا ان سب کو
پڑھنا محال ہے۔ اور اگر تمام علوم میں محض معمولی سی شرح پڑھے کرادی جائے
تو وہ کسی شعبہ علم میں بھی کامل نہیں ہو سکتا۔ اس کی بجائے ہیتر یہ ہے کہ پہلے
آٹھ یا دس سال کا کورس ایسا رکھا جائے کہ ایک بچے کو دنیا اور انسان اور
زندگی کے متعلق جتنی معلومات کم سے کم حاصل ہونی ضروری ہیں۔ وہ اسکو خالص

اسلامی نقطہ نظر سے دے دی جائیں۔ اس کے ذہن میں کائنات کا وہ تصور
 بیٹھ جائے۔ زندگی کا وہ خاکہ چم جائے جو ایک مسلمان کی زندگی ہونی چاہیے۔ علی
 زندگی کے متعلق وہ تمام معلومات اسے حاصل ہو جائیں جن کی ایک آدمی کو ضرورت
 ہوتی ہے۔ امداد ان سب چیزوں کو ایک مسلمان کے طریقہ سے پرتنے کے لئے
 تیار ہو جائے۔ اسے اپنی مادری زبان بھی آجائے۔ عربی زبان بھی وہ اتنی جان
 لے کہ آگے مزید مطالعہ میں اسے مدد مل سکے۔ اور کسی ایک یورپین زبان سے بھی
 واقف ہو جائے تاکہ معلومات کے اس وسیع ذخیرہ سے فائدہ اٹھا سکے۔ جو ان
 زبانوں میں موجود ہے۔ اس کے بعد اختصاصی تعلیم کے الگ کورس ہوں جن میں
 چھ یا سات سال کی محققانہ تربیت حاصل کر کے ایک طالب علم اس شعبہ علم کا
 ڈاکٹر قرار دیا جائے جس کی تعلیم اس نے حاصل کی ہے۔ مثال کے طور پر میں
 چند شعبوں اور ان کے طریق تعلیم کی تشریح کر دوں گا جس سے آپ اندازہ کر سکیں گے
 کہ میرے ذہن میں اس اختصاصی تعلیم کا کیا نقشہ ہے۔

فطرت نے باغ و بہر میں کیا کیا کھلائے گل
 غنچوں کے دل میں بھر کے تمنائے انقلاب!

ایک شعبہ فلسفہ اور علوم عقلیہ کے لئے مخصوص ہونا چاہیے۔ اس شعبہ میں
 طالب علم کو پہلے قرآن کا علم پڑھایا جائے تاکہ اس ذریعہ سے وہ معلوم کرے
 کہ انسانی حواس سے جو چیزیں محسوس ہوتی ہیں ان کی تہ میں حقائق کی جستجو کرنے کی

کیا سہل ہے عقل انسانی کی رسائی کہاں تک ہے۔ اور کن حدود سے وہ محدود
 ہے۔ مجرد اسناد الیٰ پر تخیلات کی بنیاد کھڑی کرنے میں کس طرح انسان واقعات
 اور حقیقت کی دنیا سے الگ ہو کر خیالات کی تاریک دنیا میں گم ہو جاتا ہے البعد
 الطبعی امور کے متعلق کتنا علم انسان کے لئے فی الواقع ضروری ہے۔ اس ضروری
 علم تک پہنچنے میں مشاہدہ (Observation) اور استنباط (Induction)
 سے کس طرح کام لینا چاہیے۔ کن امور البعد الطبعی کا تعین ہم کر سکتے ہیں۔ کن کے
 متعلق ایک عمل اور مطلق حکم سے آئے ہم ہیں بڑھ سکتے۔ اور کہاں پہنچ کر اجمال و تفصیل
 سے بدلتے یا اطلاق کو تنقید میں تبدیل کرنے کی کوشش نہ صرف بے بنیاد ہو جاتی ہے
 بلکہ انسان کو خیالات الاطال کی بھول بھلیاں میں بھٹکا دیتی ہے۔ اس بنیاد کو مستحکم کرنے
 کے بعد طالب علم کو تاریخ فلسفہ کا مطالعہ کرایا جائے۔ اور یہاں قرآنی فلسفہ کی روش
 سے اس کو تمام مذاہب فلسفہ کی سیر کرا دی جائے تاکہ وہ خود دیکھ لے کہ عقائد تک
 پہنچنے کے جزو ذرائع انسان کو دئے گئے تھے۔ ان سے کام نہ لے کر یا ان سے غلط طریقہ
 پر کام لے کر کس طرح انسان بھٹکتا رہے۔ کس طرح اس نے اوہام کو حقیقت سمجھا۔
 اور اس کے سطور اس کی زندگی متاثر ہوئی۔ اور کس طرح اس نے اپنی پہنچ سے ماوراء
 چیزوں کے متعلق رجحان یا نصیب حکم رکھائے۔ اور اس کے کیا اثرات زندگی پر مترتب
 ہوئے۔ کس طرح اس نے اپنے حواس اور اپنی عقل کی باریک بینی کے بغیر ان حقیقتوں کا
 تعین کرنے میں اپنا وقت ضائع کیا۔ جن کا تعین اس کے بس کی چیز ہی نہ تھا۔ کہاں

ہندو فلسفیوں نے بھی کرکھائی۔ کہاں سے یونانی فلسفہ چھٹکا۔ کہاں مسلمان فلاسفر
قرآن کی بتائی ہوئی راہوں سے ہٹ کر نکل گئے۔ متکلمین کے مختلف اسکولوں نے
صدیوں تک جن مسائل پر بحثیں کیں۔ ان میں قرآن کی رہنمائی سے کہاں کہاں اور
کہنا کتنا تجاوز کیا۔ فلسفیانہ تصوف کے مختلف مذاہب کے مجمل کو منقطع اور مطلق
کو عقیدہ بنانے کی کس طرح کوششیں کیں۔ اور وہ کس قدر غلط تھیں۔ یورپ میں
فلسفیانہ تفکر نے کیا کیا داہیں اختیار کیں۔ ایک ہی حقیقت کی جستجو میں کتنے
مختلف مذاہب بن گئے۔ ان مختلف مذاہب میں حق کتنا ہے اور باطل کی آمیزش
کتنی ہوئی۔ اور کن راہوں سے آئی۔ کون سے مابعد الطبعی تقدیرات ہیں جنہوں نے
یورپ میں جڑھ بکڑی ہے۔ ان سے اخلاق و اعمال پر کیا اثرات مترتب ہوئے
ہیں۔ اور اگر کتاب اللہ کی رہنمائی سے فائدہ اٹھایا جاتا۔ تو نفوس دماغی کا دوش
میں وقت ضائع کرنے اور غلط بنیادوں پر زندگی کی تعمیر کرنے سے کس طرح دنیا
بچ سکتی تھی۔ اس تمام مطالبہ کے بعد طالب علم اپنی تحقیق کے نتائج مرتب کرے
اور حسب اہل علم کی جوچ و تنقید کے بعد وہ اپنا کامل الفن ہونا ثابت کر دے تو
اس کو فلسفہ میں فضیلت کی سند دے کر چھوڑ دیا جائے۔

یہ راز کسی کو نہیں معلوم کہ مومن

قاری نظر آتا ہے حقیقت میں ہے قرآن !

ایک دوسرا شعبہ تاریخ کا ہونا چاہیے جس میں قرآن کا فلسفہ تاریخ، مقصدی مطالعہ

تاریخ، اور طرز مطالعہ تاریخ طالب علم کے ذہن نشین کرایا جائے۔ تاکہ اس کے
 قلب سے تمام تعصبات نکل جائیں۔ وہ حقائق کو بے رنگ نگاہ سے دیکھنے اور
 ان سے بے لاگ نتائج اخذ کرنے کے لئے مستعد ہو جائے۔ نوع انسانی کی سر
 گزشت اور تہذیب انسانی کے نشو و ارتقاء کا مطالعہ کر کے انسان کی تاریخ و
 خسران اور سعادت و شقاوت اور عز و ذوال کے مستقل اصول مستنبط کرے۔
 مہادلت ایام بین الناس جس بڑھنگ پر اور جس ضابطہ کے مطابق ہوتی ہے اسے
 معلوم کرے۔ جو ادعائے انسان کو اوپر اٹھاتے ہیں۔ اور جو اسے نیچے گرا دیتے
 ہیں۔ ان سے واقف ہو۔ اور خود اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کر لے۔ کہ کس طرح فطرت کا
 ایک نقطہ مستقیم راستہ سے آج تک سیدھا کھینچا ہوا نظر آتا ہے جو انسان
 کی ترقی کا اصل راستہ ہے۔ اس خط سے ہٹ کر جو بھی دائیں یا بائیں جانب
 دوڑ نکل گیا۔ اسے یا تو تھپڑ کھا کر اسی کی طرف پلٹنا پڑا۔ ورنہ پھر ایسا کھینکا گیا۔ کہ
 اس کا پتہ نشان نہ ملا۔ اس طرز مطالعہ سے جب طالب علم کو معلوم ہو جائے گا۔
 کہ خدا کا قانون کس قدر بے لاگ ہے۔ اور کیسی غیر جانبداری کے ساتھ اس لئے قوموں
 سے معاملہ کیا ہے۔ تو کوئی دم بھی نہ اسکی چہتی رہے گی اور نہ کسی کے خلاف اس
 کے دل میں نفسانی عداوت کا جذبہ رہے گا۔ جس قوم کے کارنامے پر بھی وہ نظر
 ڈالے گا بے لاگ طریقہ پر ڈالے گا۔ اور فلاح و خسران کے ابدی اصولوں کی کسوٹی
 پر کس کرکھڑے کو الگ اور کھوٹے کو الگ کرے سامنے رکھ دے گا۔ اس تربیت ذہنی

کے بعد اسے تاریخی دستاویزوں اور آثارِ قدیمہ اور ماخذِ اصلیہ سے بطور خود
نتائج اخذ کرنے کی مشق کرائی جائے اور اتنا تیار کر دیا جائے کہ وہ حساب
مؤرخین کے چڑھائے ہوئے ردوں سے اصل حقائق کو الگ کر کے خود بے لاگ
و اہم قائم کر سکے۔

زمین کیا آسمان بھی تیری کج بینی پہ ریتا ہے
غضب ہے سطرِ قرآن کو چلیا کر دیا تو نے!

ایک اور شعبہ علومِ عمرانی (Social Sciences) کا ہونا چاہیے! اس میں
پہلے قرآن اور احادیث سے انسانی تمدن کے بنیادی اصول بتائے جائیں۔ پھر تفصیل
کے ساتھ اصول سے فروع کا استنباط کر کے اور انبیاء کی رہنمائی میں جو تمدن بنے
تھے۔ ان کے نظائر سے استشہاد کرتے ہوئے یہ بتایا جائے کہ ان قواعد
اصلیہ (Fundamental principles) پر کس طرح ایک صریح نظام
معاشرت، نظامِ معیشت، نظامِ سیاست، تدبیرِ مملکت، اور تعلقاتِ بین
الاقوامی کی عمارت اٹھتی ہے۔ پھر یہ بتایا جائے کہ کس طرح انہی اصولوں پر اس عمارت
کی مزید توسیع ہو سکتی ہے۔ اور اجتہاد سے توسیع کا نقشہ مرتب کرنے کا کیا طریقہ ہے
اور انسانی علم کی ترقی سے جو نئی قوتیں دریافت ہوتی ہیں۔ اور تمدن کے فطری نشوونما
سے جو نئے طرزِ عمل پیدا ہوتے ہیں۔ ان سب کو اللہ کی مقرر کردہ حدود کے اندر
رہتے ہوئے اس صریح تمدن میں جذب کرنے اور اپنے اپنے ٹھیک مقام پر رکھنے کی

کیا صورت ہے۔ اس کے ایک طرف طالب علم کو بھی تو ہوں اور مسلمانوں کی تمدنی تاریخ کا مطالعہ کرایا جائے تاکہ وہ دیکھے کہ تمدن کے ان اساسی اصول اور الہی حدود کے قریب رہنے اور ان سے انحراف کرنے سے کیا نتائج رونما ہوئے ہیں اور دوسری طرف اسے دور جدید کے سیاسی، معاشی، اجتماعی نظریات و ظہیات کا تنقیدی مطالعہ کرایا جائے تاکہ وہ یہ بھی دیکھ لے کہ انسان نے الہی ہدایت سے بے نیاز بن کر بطور غدا اپنی زندگی کے لئے جو راستے تجویز کئے ہیں وہ کہاں تک اس کے لئے موجب سعادت و شقاوت ہیں۔ ۵

خود دلتے نہیں قراکن کو بدل دیتے ہیں

ہوئے کس درجہ فقہان حرم بے توفیق!

سائنس کی مختلف شاخوں کے نئے جدید شعبے پھر وہ بولے جامیں جن میں قرآن کی رہنمائی سے فائدہ اٹھا کر نہ صرف اب تک کی جمع شدہ سائنسی معلومات کا جائزہ لیا جائے بلکہ آثارِ فطرت کے مزید مشاہدے اور قوانینِ فطرت کی مزید دریافت کا کام بھی، یہی خطوط پر کیا جاتے جو قرآن نے پہنچ دئے ہیں۔ اگرچہ یہ کتاب سائنس کی کتاب نہیں ہے نہ اس کے موضوع کا براہِ راست سائنس سے کوئی تعلق ہے لیکن چونکہ یہ اسی مصنف کی تصنیف ہے جس نے کائنات کو تصنیف کیا ہے اور وہ مصنف اپنی ایک کتاب سے دوسری کتاب میں جگہ جگہ استدلال و استشہاد کا کام لیتا ہے اس لئے اس کے گہرے مطالعہ سے سائنس کے ایک طالب علم

نہ صرف نظام کائنات کا بنیادی قاری مولا معلوم ہو جاتا ہے۔ بلکہ قریب قریب ہر
 شعبہ علم میں اسے ایک صحیح نقطہ نظر (Starting Point) اور تلاش
 تجسس کے لئے ایک صحیح رخ (Direction) بھی ملتا ہے۔ یہ وہ شاہ کلید
 (Master Key) ہے جس سے تحقیق کا سیدھا راستہ عاف کھل جاتا ہے۔
 جس کی مشکل کشائی سے اگر آدمی کام لے تو اس کا بہت سا وقت گتھیوں کے سلجھانے
 اور سلجھاتے سلجھاتے خود الجھ جانے میں نہ ضائع ہو۔ موجودہ سائنس کی گمراہی کا ایک
 بڑا سبب یہ ہے کہ وہ حقائق و اقصیٰ کے مشاہدے کی حد تک تو ٹھیک رہتا ہے
 مگر جب ان حقائق کو جوڑ کر ان سے نظریات بناتا ہے۔ تو کائنات فطرت کے مبداء
 قیامت سے بنا واقعہ ہونے کے باعث ٹھوکریں کھاتا مچلا جاتا ہے۔ اور اس سے نہ
 صرف بہت سی انسانی قوت ضائع ہوتی ہے۔ بلکہ ان قیامی نظریات کو جب انسانی
 تمدن میں جذب کر کے عملیات کی بنیاد اٹھائی جاتی ہے۔ تو وہ فساد تمدن کی
 موجب ثابت ہوتی ہے۔ قرآن کی رہنمائی میں جب ایک مسلم سائنسٹ ثابت شدہ
 حقائق کو نظریات سے الگ کر کے مرتب کرے گا۔ اور مزید حقائق دریافت کر کے
 ان سے بہتر نظریات نکال کر بتائے گا تو کوئی دیر نہیں کہ دنیا ان سائنسٹک کمراہوں
 کو چھوڑنے پر مجبور نہ ہو جائے۔ جن میں آج وہ مبتلا ہے۔

نظر پر ہرچہ انگست دیم واللہ

نیاید در نظر بادا جز اللہ

جن علوم کو اس وقت علوم دینی کہا جاتا ہے۔ ان کے لئے بھی الگ الگ شعبے مخصوص ہوئے چاہئیں۔ مثلاً ایک شعبہ قرآن کے تحقیقی مطالعہ کا ہو جس میں پچھلے مفسرین کے کام کا جائزہ لینے کے بعد آگے مزید کام کیا جائے۔ مختلف پہلوؤں سے قرآن کی گرائیوں میں اترنے کی کوشش کی جائے۔ اور علوم انسانی کے تمام شعبوں سے استفادہ کر کے قرآن میں مزید بصیرت حاصل کی جائے۔ اسی طرح ایک شعبہ علم حدیث کا ہونا چاہیے۔ جس میں قدیم محدثین کے کام سے پورا فائدہ اٹھانے کے بعد حدیث میں تحقیق، تنقید، ترتیب معلومات اور اخذ نتائج کا مزید کام کیا جائے۔ دوسرے شعاعات کے متعلق زیادہ سے زیادہ تفصیلات دھونڈ دھونڈ کر نکالی جائیں۔ اور ان سے وہ نتائج اخذ کئے جائیں۔ جو اب تک ہمارے علم سے مخفی ہیں۔ ایک شعبہ قانون کا ہونا چاہیے۔ جس میں قرآن کے احکام، حدیث نبوی کی قوی و مہملی تشریحات، صحابہ کرامؓ اور تابعینؓ کے اجتہادات اور ائمہ مجتہدین کے طرز استنباط اور جزئیات میں ان کی تشریحات کا مفصل تحقیقی مطالعہ کیا جائے۔ نیز دنیا کی دوسری پڑائی اور نئی قوموں کے قوانین اور قوانین نظامات پر بھی گہری نظر رکھی جائے۔ اور زندگی کے روز بروز بدلنے والے معاملات و مسائل پر اصول قانون اسلامی کو منطبق کر کے فقہ کے ان حصوں کو پھر سے رواں کیا جائے۔ جو صدیوں سے سوکھ کر رہ گئے ہیں۔ یہ شعبے نہ صرف بجائے قد بہت عظیم الشان کام انجام دیں گے بلکہ دوسرے تمام شعبوں کو بھی

کتاب اللہ و سنت رسول اللہ کے متعلق انہی سے وہ مواد ملے گا جس کی بنیاد

پر علم کی تمام راہوں میں تحقیق و اکتشاف کا کام چلایا جاسکے۔

سا اندکے گم شود در قرآن و خبر

باز اسے نادان بخوش اندر نگر!

امامت کی تکمیل

جس کھیت سے دیہقان کو میسر نہیں روزی

اس کھیت کے ہر خوشہ گندم کو جلا دو !

امامت کی تعلیم کے عنوان کے تحت نئے نظام تعلیم کے چند شعبوں کا

تمثیل ذکر کر دیا گیا ہے۔ جس سے پورے نقشے کی تفصیلات کا تصور آسانی

حاصل کیا جاسکتا ہے۔ اس نئے نظام تعلیم کی آخری اور سب سے اہم خصوصیت

یہ ہو کہ اس میں وہ بے مقصد تعلیم نہ ہو جو آج کل ہندوستان میں دی جا رہی

ہے۔ بلکہ اس میں تعلیم دینے والے اور تعلیم پانے والے دونوں کے سامنے ایک

متعین اور واضح مقصد زندگی اور منتہائے سعی و عمل ہو۔ یعنی یہ کہ ان سب کو

مسلم خدا پرستی کی امامت دنیا میں قائم کرنے کے لئے جہاد کبیر کرنا ہے۔ یہ

مقصد اس نظام کی ہر چیز میں اسی طرح کام کرے گا جس طرح انسانی جسم کے

ہر رگ اور ہر دیشے اور ہر حرکت میں اس کی روح کام کرتی ہے۔ طلباء کی شخصی

زندگی، ان کے باہمی اجتماعات، ان کے کھیل کود اور تفریحات اور ان کے درس و

تدریس اور مطالعہ و تحقیق کے تمام مشاغل میں اسی مقصد کی کار فرمائی ہوگی۔ اس کے مطابق ان کی سیرت و کردار کی تعمیر کی جائیگی۔ اس پر ان کے اخلاق ڈھالے جائیں گے۔ اور تمام ماحول ایسا بنایا جائے گا کہ ہر شخص کو ایک مجاہد فی سبیل اللہ میں تبدیل کر دے۔

مجاہد کے لیے بڑھ کے عالم کی سیاحت
کہ اس کا نکتہ نکتہ و کشش گلزار ہوتا ہے!

اس قسم کی تربیت اور اس قسم کی تعلیم پاکر جو لوگ تیار ہوں گے۔ ان میں یہ طاقت ہوگی کہ ان واقعات کی رفتار بدل دیں۔ ان کی محققانہ تنقید عالمیت کے علوم اور جاہلیت کی تہذیب کی ساری بنیادیں کو ہلا دے گی۔ ان کے مددگار بننے والے علوم میں اتنا زور ہوگا کہ جو لوگ آج جاہلیت کے نقطہ نظر پر چلے ہوئے ہیں۔ ان کو وہ اسلامی نقطہ نظر کی طرف پھیر لائیں گے۔ ان کی تحقیق کے نتائج یورپ اور امریکہ اور روس تک کو متاثر کر دیں گے۔ اور ہر طرف سے مستقبل انسان ان کے نظریات کی طرف کھینچے پلے آئیں گے۔ ان کا مرتب کیا ہوا نظریہ حیات اور لائحہ زندگی اتنی قوت کے ساتھ فکر و نظر کی دنیا پر چھا جائے گا کہ عمل کی دنیا میں اس کے خلاف کسی دوسرے لائحہ زندگی کا چلنا مشکل ہوگا۔ پھر اسی تعلیم سے اس سیرت اور اس عزم کے لوگ پیدا ہوں گے جو امامت کے نظام میں عملاً انقلاب برپا کرنے کے لئے ضروری ہیں۔ اس انقلاب کے فن کو بھی

جانتے ہو گئے۔ ان میں اس کے برپا کرنے کا مضبوط ذاعیہ بھی ہو گا۔ اور انہیں اپنی
 انقلابی تحریک کے خالص اسلامی راہوں پر چلانا بھی آتا ہو گا۔ پھر انہیں میں یہ
 اہلیت بھی ہو گی کہ کامیابی کی منزل پر پہنچ کر اسلامی اصول کے مطابق ایک
 سسٹم ایک مکمل نظام تمدن کے ساتھ بنا کر کھڑا کریں جس کی شکل اور طرح
 اسلامی ہو۔ اور جو دنیا میں امامت کرنے کی پوری طاقت و صلاحیت رکھتا
 ہو۔

قوم کیا چیز ہے، قوموں کی امامت کیا ہے
 اسکو کیا سمجھیں، یہ بیچارے دو رکعت امام!

امرت مغربی

خدا نصیب کرے ہند کے اماموں کو
وہ سجدہ حسین ہے، ملت کی زندگی کا پیام

مساجد کی اہمیت

اے مسلمان اپنے دل سے پوچھو بلا سے نہ پوچھو
 ہو گیا اللہ کے بندوں سے کیوں خالی حرم!
 مساجد خانہ خدا ہیں۔ بیت اللہ ہیں۔ عبادت گاہ ہیں۔ صرف اللہ کیلئے
 ہیں مسلمان پانچوں وقت میں انہیں میں نماز پڑھتے اور سر جھکانے پر مامور ہیں۔
 گھر کی نماز سے، دوکان کی نماز سے اور صحرا کی نماز سے مساجد کی نماز باعث
 اجر عظیم ہے۔ مسجدوں کے ذریعے سے مسلمانوں کو زندہ کرنے کی تجویز عرصے سے
 مسلمانوں کے سامنے رہی ہے مسلمانوں کو یورپ اور برادرانِ وطن کی غلامی سے
 آزاد کرانے اور زندہ کرنے کا طریقہ یورپ کی تقلید اور قومیت کا جذبہ پیدا کرنا
 نہیں۔ بلکہ مسلمان آج اسی طرح زندہ ہو سکتا ہے جس طرح وہ آج سے سارے
 تیرہ سو سال پیشتر گوشہ گمنامی سے نکلا تھا۔ جس کا تمام دار و مدار مذہبی اصلاح
 پر ہے۔ اور مذہبی اصلاح کا دار و مدار مسجدوں میں اچھے امام رکھنے پر ہے علماء
 کا وہ طبقہ جو ہر اصلاح کو الحاد سمجھتا ہے امام بننے کے قابل نہیں۔

مسجد میں چھپ کے بیٹھ گیا اپنا ہر امام

اور ہو گیا جہاد مسلمان پر حرام!

جو لوگ مسلمان قوم کو میدان کرتے کے لئے مسجد کی اہمیت سے انکار کرتے

ہیں وہ مسلمان قوم کو سرے سے سمجھتے ہی نہیں۔ مسلمان سیاسی ہنگاموں اور لیڈروں

کی کسبختی پیدا کرنے والی تقریروں سے زندہ نہیں ہو سکتے۔ مسلمانوں کو یہ کہنا کہ

تم مذہب اور سیاست کو دو الگ الگ چیزیں سمجھو۔ اور مذہب کو شخصی مسئلہ

جان کر اسے اپنے اور اپنے رب کے رشتے تک محدود رہنے دو۔ انہیں اپنی طرف

بلا نا نہیں۔ بلکہ متنفر کرنا ہے۔ اسلام کے اثرات مسلمانوں کے رگ و ریشے

میں سرایت کر چکے ہیں۔ اور ان کی قومی زندگی اسلامی روایات سے کچھ اس طرح

پیوست ہو چکی ہے۔ کہ ان سے اسلامی روایات سے علیحدگی کا مطالبہ کرنا ان کے

اپنے آپ سے انکار کرنے کے مترادف ہے۔ لہذا اگر تم مسلمانوں کو زندہ اور

غلامی سے آزاد دیکھنا چاہتے ہو۔ تو ہر مسجد کو اپنا مرکز بناؤ۔ مسجدوں کے ذریعے

ہر مسلمان تک اپنے خیالات پہنچاؤ۔ کیونکہ مسلمان کے دل تک رسائی حاصل کرنے

کے لئے مسجد سے بہتر اور کوئی طریقہ نہیں۔

آج سے سارے تیرہ سو سال پیشتر آقاؐ نے نامدار رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

اہل مکہ کو اسلام کا پیغام دیتے ہیں۔ اور اس پیغام کو سن کر حبیب ایک و مہمند

جماعت ان پر ایمان لے آئی ہے۔ تو آپ کے ایک فدائی کا گھر اس چھوٹی سی جماعت کا

مرکز بنتا ہے۔ جہاں یہ لوگ جمع ہوتے ہیں۔ اندر میں نماز پڑھتے ہیں۔ یہ اسلام کی پہلی مسجد تھی۔ مکہ کے تیرو برس اسلام نے نہایت لمبے لمبی میں گزارے۔ مدینہ پہنچتے ہی آپ نے پہلا کام یہ کیا کہ مسجد کی بنیاد رکھی۔ یہ مسجد صحیح معنوں میں مدینہ کی زندگی کا سرچشمہ تھی۔ جہاں سے ہر مسلمان کی رگوں میں زندگی کا خون پہنچتا تھا۔ اور ہر مسلمان کی حاضری وقت مقررہ پر وہاں لازمی تھی۔ اس مبارک عہد میں مسلمانوں کی وہ مسجد محض مسجد گاہ نہ تھی۔ بلکہ وہ حکومت کا مرکز، مشاورت کی جگہ، عدالت کا کمرہ اور تعلیم کے لئے مدرسہ تھا۔ جہاں قرآن و حدیث کے علاوہ فلسفہ، ریاضی اور دیگر تمام علوم متداولہ کی تعلیم دی جاتی تھی۔

شیخ مکتب کے طریقوں سے کشادہ دل کہاں

کس طرح کبریت سے روشن ہو بجلی کا چراغ !

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلافت راشدہ، دولت امویہ اور بنی عباس کے ابتدائی دور حکومت میں مسجد کی یہ اسلامی حیثیت برقرار رہی۔ خلیفہ کا فرض تھا کہ دارالخلافت میں جمعہ کی نماز خود پڑھائے۔ اور دوسرے شہروں میں اس کے نائب امام ہوں۔ حکومتوں کے فیصلے میدان جنگ میں نیزہ و تلوار سے طے پاتے تو قوم کے اس فیصلے کو منوانے کے لئے مسجد سے رہنمائی حاصل کی جاتی تھی۔ مگر فی زمانہ مسلمانوں کی مسجدیں محض مسجد و گاہ بن کر رہ گئی ہیں۔ لہذا ضرورت اس امر کا تقاضا کرتی ہے کہ مسلمانوں کی مسجدیں محض عبادت گاہیں ہی نہیں۔ بلکہ

سیاست نگاہیں بھی ہوں۔ ان کا مذہبی امام ہی ان کا سیاسی امام ہو۔ غرضیکہ مسلمانوں کی مذہبی، اجتماعی، تمدنی اور سیاسی الغرض تمام جماعتی سرگرمیوں کا مرکز مسجد ہو۔ لہذا اب مساجد کو کم نظر، زاویہ نشین، اور معاملات دنیا سے بے خبر لوگوں کے ہاتھ میں رہنے دینا سب سے بڑی غلطی ہے۔ اور جب تک اس غلطی کی اصلاح نہ کی جائے گی۔ ہماری ترقی کی کوئی اُمید نظر نہیں آتی۔ اس وقت مسلمانوں کے سامنے صرف دو راہیں ہیں۔ ایک زندگی اور ترقی کی راہ۔ دوسری تباہی اور بربادی کی راہ۔ اگر مسلمان زندہ رہنا چاہتے ہیں۔ اور آگے بڑھنے کی خواہش ہے۔ تو انہیں چاہیے۔ کہ اپنی اصلاح کریں۔ اپنی جماعت کو اسلامی طریق پر منظم کریں۔ ان میں سچا اسلامی جذبہ پیدا کریں۔ ملت میں وحدت افکار کی تخلیق کریں۔ اور سب کی باگت دور ایک ہی قائدِ عظم کے سپرد کریں۔ اور یہ سب چیزیں صرف اس وقت پوری ہو سکتی ہیں۔ جبکہ مساجد کو اس اصلاحی تحریک کا مرکز بنایا جائے۔

سے زندہ نقطہ وحدت افکار سے ملت

وحدت ہر فناء میں سے، وہ النام بھی الحاد

امام کا عہدہ

تیسرا امام بے عفتور، تیری نماز بے سرور
 ایسی نماز سے گذر، ایسے امام سے گذر!
 امامت کا مستحق وہ شخص ہے جو نماز کی حقیقت، ارکان و آداب، اور
 صحت و فساد کے تمام مسائل جانتا ہو۔ قراءت مستونانہ سے اچھی طرح واقف ہو۔
 قرآن کریم صحیح پڑھنا جانتا ہو۔ اگر قاری ہو تو بہتر ہے۔ متقی اور پرہیزگار ہو۔ خوش
 اخلاق ہو۔ وحیج اور خوبصورت ہو۔ شرافت نسبی رکھتا ہو۔ کمالات ذوقی کا حامل ہو۔
 یرستید ہو تو افضل ہے۔ ملاو: اس کے آنحضرت کے اسوۂ حسنہ کا پورا پورا منظر
 ہو۔ کمالات محمدیہ کا صحیح مترجم ہو۔ اسی حال محمدی کو سب سے پہلے اپنا حال بنائے
 اور پھر قول و فعل محمدی کی تبلیغ کو اپنا فرض قرار دے۔

مگر انصوس کہ آج کل مسلمانوں میں مسئلہ امامت کے متعلق بڑی بے احتیاطی
 اور جہالت برتی جاتی ہے۔ اور امامت اقتداء دونوں کی مٹی پلید ہو رہی ہے
 ساری دنیا کے نکتے، محمدی، جاہل، اندھے، لنگڑے اور ناڑی مسجدیں میں بھرے

ہوئے ہیں۔ علم و فضل اور حسب و نسب کی تو پوچھ ہی کیا ہے۔ بتاؤ! جس قوم کے امام جاہل و کاہل ہوں۔ وہ دنیا میں کیا خاک ترقی کر سکتی ہے۔ بھی تو مسجدوں میں وہ ہدایت و سعادت کا نور نہیں پھیلتا۔ جو زمانہ سلف میں پھیلتا تھا۔ آہ! مسجدیں تو کسی قدر آباد ہیں۔ مگر ان میں ہدایت کا نور نہیں۔ کیونکہ ممبروں پر کندہ نافرمانی و ترسے ہوئے ہیں۔

امامت کا معیار مسلمانوں کی ابتدائی زندگی میں بہت بلند تھا۔ اور جس قدر یہ زیادہ اہم تھا۔ اب اسی قدر غیر اہم ہو گیا ہے۔ جس منصب کے لئے بہتر سے بہتر آدمی منتخب کرنے کا حکم تھا۔ اب اس کے لئے بدتر آدمی چھانٹنا جاتا ہے۔ مسلمانوں کے ذہن میں اب امام کا تصور یہ ہے۔ کہ جو شخص دنیا کے کسی اور کام کا نہ ہو۔ مسجد کا امام رہ بھی ہو سکتا ہے۔ دس پانچ روپے تنخواہ اور دونوں وقت کی روٹی مقرر کر دی اور کوئی نیم خواندہ امام رکھ لیا۔ امامت کو اس قدر پست کر دینے کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہماری مسجدیں وہی مسجدیں جنہوں نے کبھی ہماری قوم کے تصرفات و رسوم کی تعمیر کی تھی۔ آج ایسے لوگوں کے ہاتھ میں ہیں۔ جو بے علم، تنگ نظر، پست و وصلہ اور ذہنی الاخلاق ہیں۔ پس ایسے لوگوں سے مسلمانوں کی رہنمائی کی جو امید ہو سکتی ہے۔ وہ آپ جانتے ہیں۔

قوم کیا چیز ہے قوموں کی امامت کیا ہے

اسکو کیا سمجھیں یہ بیچارے دور کثرت کے امام

دوسرے علماء کا طبقہ ہے۔ اور باستثناء چند اس طبقہ کے سوا بڑا عظیم کاجو حال ہے اسے بیان کرنا گویا اپنی ٹانگ کھولنا اور آپ ہی لاجوں مرتا ہے ان میں کا ہر شخص اپنے لئے ایک الگ مشرب رکھتا ہے۔ اور اپنے مشرب میں اتنا سخت ہے کہ دوسرے مشرب والوں کے ساتھ کسی قسم کی رعایت کرتا اس کے نزدیک گناہ کبیرہ سے کم نہیں۔ پھر اللہ نے ان کی زبان میں ایک ڈنگ رکھ دیا ہے۔ جس سے دلوں کو زخمی کئے بغیر وہ کوئی بات نہیں کر سکتا۔ یہ جس ماحول سے تعلیم و تربیت پا کر آتا ہے۔ اور جس ماحول میں زندگی گزارتا ہے۔ وہاں دین کے ضہات اور قوم کے مصالح کے لئے کوئی جگہ نہیں۔ اس کی تمام دلچسپیاں سمٹ کر چند چھوٹی چھوٹی نزاعی باتوں میں جمع ہو جاتی ہیں۔ اس لئے لامحالہ وہ جب زبان کھولے گا۔ انہی مسائل پر کھولے گا۔ اور نتیجہ یہ ہوگا۔ کہ اللہ کے گھر میں گالی گلوچ اور جوتی پزار ہوگی۔ اور ہر طرف سر پھٹول ہوگی۔

پس یہ تو مذہبی ذہنیت رکھنے والوں کا حال ہے۔ اب جدید تعلیم یافتہ طبقہ پر نگاہ ڈالو۔ تو وہ ان مسائل سے پوری طرح دلچسپی نہیں رکھتے۔ ان پر ایک اور مصیبت سوار ہے۔ کہ وہ اپنی تقاریر میں اکثر چھوٹی روایتیں اور لاطائف کہانیاں اور احکام اسلام کی غلط تعبیریں کر جاتے ہیں۔ کہ جن کو سٹنکر غیر مسلموں کا مسلمان ہونا تو درکنار، ذی ہوش مسلمانوں کا مسلمان رہنا بھی دشوار ہے۔ پس امامت کی ذمہ داری دہی جماعت

اپنے سر لے سکتی ہے۔ اور امامت کا عہدہ اسی کے لئے مقرر ہے
 جو معتدل مزاج رکھتی ہو۔ اور ان کے پاس خطبات کا ایسا مجموعہ ہو جو
 نزاعی حائل سے پاک ہو۔ اور مسلمانوں میں صحیح دینی رواج پھونکنے والے
 ہوں۔

غالب طلوع فکر یہ غفلت کی رات ہے

اس سے عجیب تر بھی کوئی اور بات ہے

امام کی ذمہ داری

سویار کی کہی ہوئی باتوں کو کیا کہیں؟
کس بات کو عجیب کہیں یا نسیا کہیں!

امام ہمیشہ اپنے رسول کا جانشین ہوتا ہے۔ اس لئے امامت کے فرائض میں مسلمانوں کے اُن تمام شعبہ ہائے زندگی کا انتظام و انصرام داخل ہے۔ جن کی باگ ڈور خود رسول اللہ کے ہاتھ میں تھی۔ اور منجملہ ان تمام فرائض کے امام کا سب سے بڑا فرض اقامت دین ہے۔ اور مذہب، اخلاق سیاست وغیرہ تمام چیزیں امامت کے دائرہ اقتدار میں داخل ہیں۔ علاوہ ازیں اسلام کی اشاعت و تبلیغ، قرآنی احکام کا اجرا و نفاذ، مساجد کی آبادی و نگرانی، اسلامی عقائد و ارکان کی تشریح، اسلامی اصولوں کی فلاسفی، قومی تنزلی کے اسباب اور ان کا علاج، قوم کی ترقی کے وسائل اور ان کا حصول اور حالات حاضرہ پر تبصرہ کرنا سب امور امامت کے فرائض میں داخل ہیں۔

اسلام نے امامت پر اس لئے زور دیا ہے۔ کہ اسلام میں اتھوڑ اور سادات

پیدا ہو مسلمانوں کو ایک خیال اور ایک ذہنیت پر لانے کی تحریک کی جائے۔
 تمام مسلمانوں کی شیرازہ بندی ہو۔ مرکزیت اسلام پیدا ہو مسلمانوں کے اجتماعی
 کام سرانجام ہوں۔ ان کی دینی و دنیوی ضروریات کا حقہ پوری ہوں۔
 فرد قائم ربط ملت سے ہے تنہا کچھ نہیں
 موج ہے دریا میں، اور بیرون دریا کچھ نہیں!

امام تمام مقتدیوں کے قلوب کا مالک ہوتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ
 وسلم نے ارشاد فرمایا ہے: "وَإِنْ فِي الْحَسَنِ مُضْغَةٌ، إِذَا صَلَّحْتَ، صَلَّحَ
 الْحَسَنُ كُلُّهُ وَإِذَا فَسَدَتْ، فَسَدَ الْحَسَنُ كُلُّهُ، إِلَّا وَحْيَ الْقَلْبِ"
 یعنی دل انسان کے جسم میں ایک ایسا عضو ہے کہ جب وہ درست ہو تو تمام
 جسم درست رہتا ہے۔ اور اگر اس میں کوئی خرابی آجائے تو تمام جسم کے غلغل کا
 موجب ہوتی ہے۔ اسی لئے مولانا فرماتے ہیں:

کعبہ بنیادِ خلیفہ اقدس است۔ دل گدگاہِ خلیفہ اکبر است
 از ہزاران کعبہ یک دل بہتر است۔ دل بدستِ آدم کبر است
 نماز باجماعت میں بس یہی بات ہوتی ہے کہ تمام مقتدیوں کے قلوب امام
 کے قبضہ میں ہوتے ہیں۔ اور مقتدیوں کے قلوب میں امام کی وقعت ہوتی ہے۔ یہ
 ایک ایسا زبردست رابطہ ہے کہ اس کی بدولت بہت کچھ اصلاح کی توقع
 کی جا سکتی ہے۔ اسی لئے جماعت کے ساتھ نماز گزارنے کا حکم نہایت تاکید

کے ساتھ دیا گیا ہے۔ تنہا انسان کوئی اہم تدبیر نہیں کر سکتا۔ لیکن ایک جماعت کی تدبیر سے کسی معاملہ کا کوئی پہلو فرو گذاشت نہیں ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ جماعت کی سخت ضرورت ہے۔ اور اسی سے قومیت کی بنیاد مستحکم ہو سکتی ہے۔ بشرطیکہ اس کی امامت و قیادت کسی باہر فن امام کے ہاتھ میں ہو۔ جو قوم کے تعمیری کام کی پوری پوری اہلیت رکھتا ہو۔ اور قوم کی اندرونی امراض کی تشخیص کر کے ان کے تدارک کے لئے بہترین نسخہ تجویز کر سکتا ہو۔ اور افراد قوم میں غلی روح پھونک کر اقدام عمل کی طرف ان کی رہنمائی کر سکتا ہو۔

سو اس کے لئے سب سے پہلے اپنی عقل کو ذمہ خرافات سے پاک کر دو۔ ہر دینی عقائد کو دلائل و براہین سے محکم کر کے یقین کا درجہ حاصل کرو۔ نہ ہی امور میں ظن و گمان کی بجائے دلیل و عقل کو دستاویز بناؤ۔ شک کی جگہ یقین اور اضطراب کی جگہ امن و سکون پیدا کرو۔ عقل کی رہنمائی اور تاخیر تدبیر سے اپنی مشکلات کو عبور کرو۔ نظرو استدلال کی اہلیت پیدا کرو۔ اور نور عقل کو نور نبوت کے ماتحت رکھو۔ ادل دین کی بدہیات پیش کرو۔ جوں جوں استعداد و قابلیت بڑھتی جائے۔ نظریات کی طرف توجہ کرو۔ عقل و فہم کی صحیح نشوونما اور تربیت کا صحیح طریق سیکھو۔ اسلام نے ساری بنیاد ہی علم و یقین پر رکھی ہے۔ چنانچہ قرآن مجید کا پہلا سبق

یہ ہے۔ ذٰلِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ فِيْهِ۔ یعنی یہ کتاب ہر قسم کے
 شک و شبہ سے بالاتر ہے۔ اگر اس سے استفادہ کرنا چاہتے ہو۔ تو اپنے
 اندر یقینی کیفیت پیدا کرو۔ کیونکہ اسلام شک کی جگہ یقین، ظلمت کی جگہ
 نور، ظن کی جگہ علم و بصیرت اور قیاس و گمان کی جگہ حجت و برہان کی تعلیم
 لے کر آیا ہے۔ ۛ

یقین محکم، عمل مہیم، محبت فاتح عالم
 جہاد زندگانی میں ہیں یہ مردوں کی شمشیریں!

امام کی صفات

تو غازی ملت ہے ، درس پتہ دے
مسلمان کو مر مر کے جینا سکھا دے !

امام کے اعمال و افعال کے تمام لوگ ناظر ہوتے ہیں۔ اگر امام کے اعمال ان کیلئے
نمونہ نہ ہونگے تو وہ اسے امامت کے عہدہ سے علیحدہ کر سکتے ہیں۔ کیونکہ انفرادی حیثیت سے
ہر مسلمان مبلغ و مجاہد ہے۔ لہذا امام کیلئے ضروری ہے کہ وہ شائع کے ہر کلمہ کی صحیح
غرض و فائدت پہچانتا ہو۔ جو شخص یہ نہیں جانتا کہ کسی کام کا حکم دینے اور فعل سے
منع کرنے میں شائع کے پیش نظر کونسا مقصد اور کونسی مصلحت ہے۔ اور جو شخص یہ
نہیں سمجھتا کہ کسی حکم کی بجا آوری کے لئے شائع نے جو عملی صورت مقرر کی ہے اس
خاص صورت میں لیا حکمت کا نظریہ ہے۔ اور اصل مقصد کے حصول کیلئے کون کون
چیز کس طرح مددگار ہے۔ اس کیلئے زندگی کے مختلف احوال میں شریعت کا
صحیح اتباع کرنا یا کراہت نہ صرف مشکل بلکہ محال ہوگا۔ اسکے پاس شریعت کا صرف جسم
ہوگا روح نہ ہوگی۔ وہ محض امتحان کا مالک ہوگا۔ منفرد پاسکے گا۔ اسکی نگاہ احکام کی

محض عملی صورتوں پر ہوگی۔ مگر ان احکام میں جو مصالح و مقاصد پوشیدہ ہیں۔ وہ اسکی نظر سے اوجھل ہوئے۔ وہ بظاہر تو شارع کے احکام کی پیروی کریگا۔ مگر دراصل انکے مقاصد سے محروم رہیگا۔ امد اپنے عمل سے نہ خود پوری طرح مستفید ہو سکے گا۔ اور نہ دوسرے کو فائدہ پہنچا سکے گا۔

علم حق غیر از شریعت ہیج نیست

اصل سنت جز محبت ہیج نیست !

سلا پس امام کے لئے ضروری ہے کہ وہ اصول اسلام اور احکام شریعت کی تہ تک پہنچے۔ ہر حکم کی صحیح غرض و غایت معلوم کرے۔ اور اپنے ہر قول و فعل کو اس غرض و غایت کی تکمیل کیلئے صرف کرے۔ اللہ تعالیٰ کو خوش کرنے کے سواہ اعتقاد کے سوا اور کوئی مطلب پیش نظر نہ رکھے۔ اپنے تمام ذوالفن کو مردانہ دار اور بے غرضانہ بجالائے۔ اس کا تمام علم و عمل تبلیغی ہو۔ محض اسلام کے بوسیدہ کھنڈرات پر قائم کرنے والا نہ ہو بلکہ خوابیدہ غفلت مسلمانوں کو قرآن کریم و شریعت اسلام کی روشنی میں پیغام دے۔ کہ اٹھو! آ باؤ! اجداد کی تاریخ و عہد نامے کا وقت آگیا ہے۔ اب جاہ و جلال تم پر نثار ہوگا۔ اور تم پھلی شان و شوکت کے مالک بن جاؤ گے۔

اس کا تمام علم و عمل دہی باتوں سے بالاتر ہو۔ ادریغیات سے لبریز ہو۔ لفظی دستی آیات الہی کو سامنے رکھ کر آگے بڑھنا اس کی تعلیم کا سب سے بڑا جوہر ہو۔ نفسانیت اور بے اصولی سے اجتناب کرے۔ الزامی جواب

نفرت، بغاوت، سب و شتم، اور مخالطہ سے حتیٰ الوسع پر مبنی کرے۔ ان سے کبھی
 دیر پا اور مفید نتائج پیدا نہیں ہوتے۔ مخلوقات الہی کیلئے رحمت اور برکت کا
 نمائندہ ہو۔ کیونکہ اسلام فعلی (تفریق) کیلئے نہیں۔ بلکہ رحمت، جذب اور صل
 کیلئے آیا ہے۔

اسلام دنیا میں ہر فرد بشر کی موت بحال کرنے آیا ہے۔ اور وہ ملکی، قومی اور
 شخصی انفرادی و معاویہ سے بالاتر ہے۔ لہذا شخصیت پرستی، نذر پرستی اور ان کے
 ظلم کو پاش پاش کرنا اپنا فرض عین تصور کرے۔ اس کی زندگی میں سوائے اللہ تعالیٰ
 کے اعتقاداً و عملاً لغی اقتداء، تمام غیر فطرتی غلامیوں سے نجات اور اسلامی
 بادشاہت کی تیاری و غلبہ یافتہ ربانی ہو۔ فرض شناسی، خود داری، تعلیم و
 تربیت، بے داغ چلن، گرم جوشی اور نظام و غیرہ اہم ہر وقت اس کے محرک
 ہوں۔ ۵

اپنی دنیا آپ پیدا کر اگر زندوں میں ہے
 ستر آدم ہے، خمیر کن نکال ہے زندگی!

امام کی اطاعت

کسبِ مہر کیا بھی تو قسدرِ مہر کساں
مقام ہے مکی تشہ آب گوہر کہاں !

آج سے کچھ عرصہ پیشتر آنکر مساجد کی بڑی شخصیت ہوتی تھی۔ بچہ بچہ ان کی عزت کرتا تھا۔ ہر شخص ان سے ڈرتا تھا۔ تمام قوم پر ان کا رعب تھا۔ آج امامت کو کوئی کچھ سمجھے۔ اور اماموں کا اثر کتنا ہی زائل ہو چکا ہو۔ پھر بھی امامت مسندِ رسولؐ ہے۔ اور وہ علیہ السلام منصب ہے جس پر رسول کریمؐ، حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت عمر فاروقؓ، حضرت عثمان غنیؓ، حضرت علیؓ اور دیگر ادیبان و اکابر صدیوں فائز رہے ہیں۔ اسی عہدِ سعادت میں آج کی طرح مسجدیں ”شکوہ گزار نمازی“ نہ تھیں۔ بلکہ ہر مسجد پانچوں وقت نمازیوں سے بھری رہتی تھی۔ جہاں ہر درجے و ہر رتبے کے لوگ آتے اور ایک امام کے اقتدار میں کھڑے ہو کر خدائے وحدہ لا شریک کی بارگاہ میں اپنی جبین قیاد گراتے تھے۔ اس کے ایک اشارہ اللہ اکبر پر رکوع و سجود کرنا سب کیلئے فرض تھا۔ پھر کیونکر ممکن تھا کہ اس کی عزت تو عزتِ اطاعت نہ کی

جانی۔ بہترین اُمت کا امام بھی بہترین ہی ہو سکتا تھا۔ اور ہوتا تھا۔ اور وہ ہوتا تھا جو نہ صرف علم و فضل، اخلاق و عادات اور عمل و خیر میں امتیازی حیثیت رکھتا ہو بلکہ صلاح و تقویٰ میں بھی برگزیدہ شان رکھتا ہو۔ نیز یہ کہ تمام مسلمانوں نے اسے اپنی امامت کے لئے منتخب کیا ہو۔ اور سب اس سے خوش ہوں۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: "ثَلَاثَةٌ لَا يَقْبَلُ اللَّهُ صَلَاتَهُمْ مَنْ تَقَدَّمَ قَوْمًا وَهَمَلَهُمْ كَارَهُونَ" تین وہ شخص ہیں جن کی نماز اللہ قبول نہیں کرتا۔ جن میں ایک وہ ہے۔ جو اپنی قوم کا امام ہو۔ اور لوگ اس سے ناراض ہوں۔ اس سے واضح ہوتا ہے۔ کہ امامت کتنا بڑا منصب ہے۔ اسے کتنی بڑی فقیہیت ہے۔ بعد اس کیلئے دو امور ضروری اور اساسی حیثیت رکھتے ہیں۔ اولاً یہ کہ وہ علم و عمل کے اعتبار سے ممتاز ہو اور ثانیاً اتنا با اخلاق اور شریف ہو کہ تمام نمازی ہاس سے خوش رہ سکیں۔

ہجوم کیوں ہے زیادہ شراب خانے میں؟

فقط یہ بات کہ پیر معال ہے مردِ خلیق!

اولیٰں مردِ صفات کی عدم موجودگی میں سب بڑا عذاب اس پر یہ پڑے گا کہ اسکی نماز قبول نہ ہوگی۔ اور اسکی تمام عبادت ضائع جائیگی۔ کئی متقی مسلمان تو یہ گواہ نہیں کر سکتا کہ محض منصبِ امامت کی حرص میں وہ اپنی عبادت کے ثواب کو ضائع کرنے پر آمادہ ہو جائے۔ افسوس خدای عذاب خرید لے۔

جس طرح نماز میں روحانی علوم کے ہزاروں سبق دیے گئے تھے۔ اور وقت کی پابندی،
ظاہر و باطن کی معافی، اتفاق و اتحاد، یک جہتی دیکر نہ گئی، مہر و دی و محبت، ایک ساتھ
میں اور ایک ساتھ نماز اسکا تھی۔ اسکا طرح امامت میں اطاعت اللہ کا درس دیتی
تھی۔ اور یہ ظاہر ہے کہ جو قوم اپنے امیر کی حقنی مطیع ہوگی۔ اسکا ہی اسے علو و اقتدار
موصول ہوگا۔ اتنا ہی اسے اپنی ارتقائی منازل کا ملے کرنا آسان ہو جائیگا۔ اور وہ
اپنے ہر مقصد میں دل و دلی اور بات چو گئی ترقی کرتی جائیگی۔

مگر اس زمانے میں پیارے اکثر اماموں کا یہ حال ہے۔ کہ مقتدی خوش ہوں یا
ناراض۔ نماز اللہ قبول کرے یا نہ کرے۔ لیکن وہ منصب امامت چھوڑنے پر ہرگز آمادہ
نہیں ہوتے۔ بلکہ اس کے جائز و ناجائز طریق پر اپنے قبضہ میں رکھنے کے لئے ہر قسم
کی سازشیں اور جھوٹ و فریب تک کو روار کھتے ہیں۔ کچھ تو مسلمانوں نے انتخاب کی
طرف سے بے پرواہی اختیار کر لی۔ اور کچھ اماموں نے امامت کو ذاتی جاگیر و ریاست
بنالیا ہے اگر کوئی مسلمان مقتدیوں کی تانوشی و تارہنہ بندی کی بناء پر کسی امام کے خلاف
آواز بھی بلند کرتا ہے۔ تو یہ لوگ لڑنے اور مرنے کیلئے تیار ہو جاتے ہیں۔

یہی حالت متولیانِ مشاہد کی ہے۔ کہ وہ بھی اپنی جگہ خود مختار بنے ہوئے

ہیں۔ غرض یہ ہے۔ کہ ہماری اس اہم ترین عبادت کی پوری پوری مشہوری
مسلمانوں کے ہاتھوں و درہم جوہم جوہم کر رہ گئی ہے۔ نہ نمازی ٹھیک رہے نہ
نماز، نہ اماموں میں وہ تفصیلت باقی رہی اور نہ متولیانوں میں غیرت کی کائنات رہی۔

رائے عامہ میں نمازیوں کا وقار کم ہوتا جا رہا ہے۔ مسلمان مساجد سے ایک گونہ
بے تعلقی ہو رہے ہیں۔ قوم کی مرکزیت قائم ہو رہی ہے۔ جمعیت کمزور ہو
رہی ہے۔ اور اس کی اصلاح کے لئے کوئی تعمیری پروگرام تاحالی تیار
نہیں ہوا۔

بچ گئے نہ تم اور نہ سنا تھی تمہارے
اگر ناؤ ڈوبی، تو ڈوبیں گے سارے!

امام کی جماعت

بتان رنگ و خوں کو توڑ کر ملت میں گم ہو جا
تہ تو راہی ہے باقی تہ ایرانی نہ افغانی !

کسی جماعت کی کامیابی کا دار و مدار ہمیشہ ضبط (Discipline) پر ہوتا ہے۔ اور حصول ضبط کے لئے باقاعدگی درکار ہے۔ لہذا نماز باجماعت میں صفوف کا لحاظ رکھنا بڑا ضروری ہے۔ نماز شروع کرنے سے پہلے یہ دیکھ لینا چاہیے کہ تمام صفیں سیدھی ہیں یا نہیں۔ صفیں بناتے وقت اول پہلی صف کو پورا کرنا چاہیے اگر آدمی کم ہوں اور صف پوری نہ ہو سکتی ہو۔ تو پھر پیچھے کھڑے ہونے والوں کو اس طرح کھڑا ہونا چاہیے کہ آدھے آدھے آدمی امام کے دونوں طرف آجائیں۔ اگر پہلی صف پوری ہو جائے تو اسکے پیچھے دوسری صف یا صف لینی چاہیے۔ اور اس میں بھی اگر آدمی کم ہوں۔ تو پھر اس صف کو بھی پہلی صف کے پیچھے درمیان میں کھڑا ہونا چاہیے۔ اکیلا آدمی ایک صف کا قائم مقام نہیں ہو سکتا۔ اگر اس کے لئے کسی صف میں گنجائش نہ ہو۔ تو اسے چاہیے کہ کچھ عرصہ انتظار کرے۔ اگر کوئی اور شامل ہو تو والا نہ ہو

تو آخری صف میں آہستگی کے ساتھ ایک سمجھ دار آدمی کو پیچھے ہٹالے اور اپنے ساتھ کھڑا کر لے تاکہ ایک صف بن جائے۔

ترتیب صفوف میں یہ خیال رکھنا ضروری ہے کہ سب سے اول مردوں کی صفیں ہوں۔ پھر لڑکوں کی۔ اسکے بعد عورتوں کی اور سب سے بعد لڑکیوں کی صفیں ہوں۔ بڑے آدمیوں کی صف میں لڑکوں کا کھڑا ہونا مکروہ ہے۔ اسی طرح عورتوں کی صف بچوں کے بعد ہونی چاہیے۔ عورت اگر اکیلی ہو۔ تو وہ اکیلی ہی سب سے پیچھے کھڑی ہو سکتی ہے۔ امام کے نزدیک ہمیشہ ایسے آدمیوں کو کھڑا ہونا چاہیے جو دین میں زیادہ سمجھ رکھتے ہوں۔ علاوہ اسکے صف بندی میں اس بات کا بھی خیال رکھنا چاہیے۔ کہ کندھے سے کندھا ملا رہے اور درمیان میں فاصلہ نہ رہے۔

نماز باجماعت صرف دو آدمی بھی پڑھ سکتے ہیں جن میں سے ایک امام بن جائے اور دوسرا مقتدی لیکن اس صورت میں مقتدی امام کے پیچھے نہیں کھڑا ہوتا۔ بلکہ امام کے دائیں ہاتھ ساتھ ہی کھڑا ہوتا ہے۔ اور اسکے پاؤں کی انگلیاں امام کی ایڑی کے مقابل ہوتی ہیں۔ بائیں طرف مقتدی کا کھڑا ہونا مکروہ تنزیہی ہے۔ اگر دو آدمی اس طرح نماز پڑھ رہے ہوں اور تیسرا آدمی بھی نماز باجماعت میں شریک ہونا چاہے تو تیسرے آدمی کو چاہیے۔ کہ پہلے مقتدی کو دونوں بازوؤں سے پکڑ کر آہستہ سے پیچھے ہٹالے۔ اور اس کے ساتھ کھڑا ہو جائے یا امام کو اتنا آگے ہو جانا چاہیے کہ مقتدیوں کو سجدہ کرنے کے لئے جگہ مل جائے۔ اور اس کے پیچھے دو آدمیوں کی

صف بن جائے۔ اس طرح مقتدیوں کے پیچھے ملتے یا امام کے آگے بڑھنے سے نماز نہیں ٹوٹتی۔ اور پانچ فرض نمازوں میں امام کے سوا کم از کم ایک آدمی اور مسجد کی نماز میں تین آدمی ہونے ضروری ہیں۔ جماعت کی نماز میں مقتدی کو صرف پہلی رکعت میں نما پڑھ کر باقی رکعتوں میں چپ رہنا چاہیے۔ اور اس کیلئے تعوذ، تسمیہ، سورہ فاتحہ اور اس کے بعد کسی دوسری سورت کے پڑھنے کی ضرورت نہیں۔ اور جس وقت کوع کے بعد کھڑے ہوں تو امام صرف تسمیع اور مقتدی صرف تحمید پڑھیں۔ مگر اکیلے نماز پڑھنے کی صورت میں تسمیع اور تحمید دونوں پڑھنے چاہئیں۔ اسی طرح سلام کرتے وقت جس طرف امام ہو اس طرف کے سلام میں نمازی اور فرشتوں کے ساتھ امام کی بھی نیت کرنی چاہیے۔ اور امام دونوں طرف کے سلام میں مقتدیوں کی نیت کرے اور مقتدی کو امام سے پہلے سجدہ اور کوع میں چلے جانا اور سر اٹھانا مکروہ تحریمی ہے۔ ۵

بندہ و صاحب و محتاج و غنی ایک ہوئے

تیری سرکار میں پہنچے تو سبھی ایک ہوئے!



امام کی شرائط

مے میری باتگ اذال میں نہ ملندی نہ شکوہ
کیا گوارا ہے مجھے ایسے مسلمان کا سجود!

امام کے پیچھے جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا سنت مؤکدہ ہے۔ جو شخص بغیر علم کے امامت کرتا ہے اسکی مثال ایسی ہے۔ جیسے کوئی سمندر کے پانی کو ناپتا ہے۔ مگر اسکی کمی بیشی کو نہیں سمجھتا۔ مسجد کا مقررہ امام کسی اجنبی شخص سے امامت کا زیادہ مستحق ہے اگرچہ اجنبی شخص اس سے افضل ہو۔ دیوانے، نشے والے، کافر اور مشرک کے پیچھے نماز بالکل نہیں ہوتی۔ اور نابالغ کے پیچھے یا عقول کی اور عورت کے پیچھے مردوں کی نماز نہیں ہوتی۔ مگر مردوں کے پیچھے عورت کی نماز ہو سکتی ہے۔ اور جس نے باقاعدہ وضو اور غسل کیا ہے اسکی نماز معذور کے پیچھے نہیں ہوتی۔ اسی طرح جو خود رکوع و سجدہ کرتا ہے۔ اسکی نماز اشاروں سے رکوع و سجدہ کرنے والے کے پیچھے نہیں ہوتی مگر بدعتی، فاسق، جاہل غلام، جاہل گنوار، اندھے اور ولد الزنا کے پیچھے نماز ہو تو سکتی ہے مگر مکررہ ہوتی ہے۔ اور فاسق جو اعلانیہ گناہ کرے۔ اس کے پیچھے

مکروہ تحریمی اور یا قیوں کے پیچھے مکروہ تنزیہی ہے۔ اور اگر ان سے افضل کوئی اور شخص نہ ملے۔ تو بلا کراہت اس کی امامت جائز ہے۔ اسی طرح اگر کوئی لڑکا پندرہ سال کا ہو جائے۔ اگرچہ اور کوئی علامت بلوغ کی ظاہر نہ ہو۔ تو اس کے پیچھے بھی نماز جائز ہے۔ مگر اس سے کم عمر کے لڑکے کے پیچھے نماز درست نہیں کیونکہ نابالغ کے ذمہ کوئی نماز فرض نہیں ہوتی۔ اسے عرت عادت ڈالنے کے لئے نماز کا حکم دیا گیا ہے۔ اور اس کی نماز ایک قسم کی نفلی نماز ہوتی ہے۔ اور نفل پڑھنے والا فرض پڑھنے والوں کا امام نہیں ہو سکتا۔

امام کو چاہیے کہ اپنے مقتدیوں کا خیال رکھے۔ اگر مقتدیوں میں کمزور اور بیمار آدمی بھی ہوں تو ان کی رعایت سے قراءت کو مختصر کرے۔ امام اگر قراءت بھول جائے یا غلطی کرے تو مقتدیوں کو اس کی اصلاح کر دینی چاہیے۔ قراءت کی غلطی تو صحیح الفاظ کے پڑھنے سے درست ہو سکتی ہے۔ لیکن اگر رکعت کے رکوع و سجود اور قیام میں امام سے کوئی غلطی ہو جائے تو مقتدیوں کو سبحان اللہ کہہ کر اسے متنبہ کر دینا چاہیے۔ فجر، مغرب اور عشا کی نماز میں قراءت جہری پڑھی جاتی ہے۔ اور ظہر و عصر میں قراءت خفی ہی سے کام لیا جاتا ہے۔ اور مغرب و عشا کی صرف پہلی ہی دو رکعتوں میں قراءت جہری ہے۔ اور باقی ایک یا دو رکعتیں قراءت خفی سے ادا کی جاتی ہیں۔ نماز باجماعت میں مقتدی اور امام کی نماز جن شرائط سے وابستہ ہوتی ہے۔ وہ یہ ہیں۔ کہ مقتدی اقتدار کی نیت

کرے۔ امام اور مقتدی کی جگہ ایک ہو۔ اگر امام اور مقتدی جدا گانہ مکانوں میں ہوں۔ تو امامت درست نہیں ہوتی۔ اسی طرح امام اور مقتدی کی نماز ایک ہو۔ اگر امام قرع پڑھتا ہو اور مقتدی نفل یا اس کے برعکس تو امامت صحیح نہیں۔ مقتدی کے خیال میں امام کی نماز صحیح ہو۔ اگر مقتدی کی دانست میں امام کی نماز صحیح نہیں۔ تو امام کی امامت اور مقتدی کی اقتداء درست نہ ہوگی۔ مقتدی امام سے آگے نہ بڑھے۔ اور وہ امام کے ایک رکن سے دوسرے رکن میں جانے کو جانتا ہو۔ مقتدی تمام ارکان میں امام کی اقتداء کرے۔ اگر کسی ایک رکن میں بھی اقتداء نہ کی۔ تو مقتدی کی نماز درست نہ ہوگی۔ نماز کے ارکان کی بجائے امام میں مقتدی امام کی مانند ہو۔ مثلاً اگر امام اشارے سے نماز پڑھے تو مقتدی بھی اشارے سے پڑھیں۔ مقتدی امام کی حالت سے واقف ہو کہ وہ مسافر ہے یا مقیم۔

پانچ چیزیں ایسی ہیں کہ اگر امام چھوڑ دے تو مقتدی بھی چھوڑ دیں۔ اور امام کی پیروی کریں۔ مثلاً عیدین کی تکبیریں، قعدہ ادلی، سجدہ سہو، سجدہ تلامذت اور تنوت۔ اور بعض چیزیں ایسی ہیں کہ اگر امام کرے۔ تو مقتدی اس کی پیروی نہ کریں۔ مثلاً عیدین کی تکبیروں میں زیادتی کرنا۔ جنازے کی نماز میں چار سے زیادہ تکبیریں کہنا۔ کسی رکن کو زیادہ کرنا۔ مثلاً دو دفعہ رکوع کرنا۔ پانچویں رکعت کے لئے امام کا کھڑا ہونا۔ اور بعض چیزیں ایسی ہیں کہ اگر امام

انہیں ترک کر دے۔ تو مقتدی ضرور ادا کریں۔ مثلاً تکبیر تحریمیہ کے وقت ہاتھ اٹھانا۔ ثناء پڑھنا۔ تکبیرات استغالی یعنی رکوع و سجود وغیرہ کے وقت تکبیر کہنا۔ تسبیحات رکوع و سجود، شہید کہنا تشہید پڑھنا۔ لفظ السلام پڑھنا اور تکبیرات تشریف کہنا۔ علاوہ ان کے نماز میں قراءت و اذکار مسنون سے زیادہ طول دینا۔ اجنبی عورتوں کی ایسی جگہ امامت کرنا۔ جہاں امام کی محرم عورتیں نہ ہوں۔ اور دو مقتدیوں سے زیادہ کی صف میں امام کا بیچ میں کھڑا ہونا مکروہ تحریمی ہے۔ اور دو مقتدیوں کی صف کے بیچ میں کھڑا ہونا مکروہ تنزیہی ہے۔ ہوسن بالائے منبر ہے تجھے رنگیں بیانی کی! نصیحت بھی تیری صورت ہے اک افسانہ خوانی کی!

امام کے مقتدی

زبان سے گر کیا تو حمید کا دعویٰ تو کیا حاصل
 بنایا ہے بت پندار کو اپنا خدا تو نے !

مقتدیوں کی چار قسمیں ہیں۔ مذہبک، مسبوق، لاحق اور مسبوق
 لاحق۔ مذہبک وہ ہے جس نے مشروع سے آخر تک پوری نماز امام کے ساتھ
 ادا کی ہو۔ یعنی پہلی رکعت میں شامل ہوا ہو اور آخر تک ساتھ رہا ہو۔ اسے
 پہلی رکعت میں صرف ثناء پڑھ کر خاموش رہنا چاہیے۔ اور تعویذ، تسمیہ،
 سورہ فاتحہ اور اس کے بعد کسی دوسری سورت کے پڑھنے کی اسے ضرورت
 نہیں۔ اور اس کے بعد رکوع، سجود اور قعدہ وغیرہ میں حسب دستور امام
 کی اقتداء میں سب اذکار پڑھنے چاہئیں۔ اور قمرہ میں صرف تحمید ہی کہنی
 چاہیے۔ تسمیح کی ضرورت نہیں۔ اور سلام پھیرتے وقت جس طرف امام ہو اس
 کی بھی نیت کرنی چاہیے۔

مسبوق وہ ہے جس کی اقتداء اسے پیشتر امام سب یا بعض رکعتیں پڑھ

چکا ہو۔ یا جسے امام کے ساتھ شروع سے ایک یا کئی رکعتیں نہ ملی ہوں۔ اسی طرح اگر کوئی نمازی بعد میں شامل ہو۔ تو اسے تکبیر کہہ کر اسی حالت میں نماز شروع کر دینی چاہیئے۔ جس حالت میں کہ امام اور دوسرے مقتدی ہیں۔ اگر نہ سجدے میں ہیں تو سجدے میں جانا چاہیئے۔ اگر قعدے میں ہوں تو قعدہ میں بیٹھ جانا چاہیئے۔ اور اگر حالت رکوع میں ہیں تو رکوع میں، اور اگر قیام میں ہیں تو قیام میں۔ قنات یا رکوع میں شامل ہونے سے رکعت ہو جاتی ہے۔ لیکن اس کے بعد شامل ہو۔ تو پھر جس قدر رکعتیں رہ گئی ہوں۔ اسی قدر امام کے سلام پھیرنے کے بعد پوری کرے۔

غرضیکہ مسبوق بقیہ نماز کو اسی طرح پوری کرے۔ جس طرح کہ فوت ہوئی ہے۔ یعنی امام کے ساتھ آخر نماز تک شریک رہے۔ جب امام سلام پھیرے۔ تو مسبوق اس کے ساتھ سلام نہ پھیرے۔ بلکہ کھڑا ہو جائے اور چھوٹی ہوئی رکعتوں کو اس طرح ادا کرے۔ گویا اس نے ابھی نماز شروع کی ہے۔ مثلاً اگر پہلی رکعت چھوٹی ہو۔ تو کھڑے ہو کر ثناء۔ تعوذ۔ تسمیہ، سورہ فاتحہ اور اس کے بعد دوسری سورت پڑھ کر حسب قاعدہ رکوع و سجود کرے۔ اور از سر نو قعدہ کے بعد سلام پھیرے اگر ظہر، عصر، عشاء یا فجر کی دو رکعتیں رہ گئی ہوں۔ تو دوسری رکعت اسی طرح سورہ فاتحہ اور اس کے بعد دوسری سورت پڑھ کر پوری کرے اور قعدہ کے بعد سلام پھیرے۔ اگر تین رکعتیں رہ گئی ہوں۔ تو دو رکعتیں فاتحہ و سورت سے اور

دوسری صرف فاتحہ پڑھ کر پوری کرے۔ اور مغرب کی نمازیں اگر ایک ہی رکعت میں ہو تو باقی ہر دو رکعتوں کے بعد حسب دستور قعدہ کرے۔

لاحق وہ ہے جس کی کل یا بعض رکعات بعد اوقتِ ادر تحریمہ کے کسی عذر سے فوت ہو گئی ہوں۔ یعنی امام کے ساتھ شریک ہونے کے بعد کسی عذر کی وجہ سے ایک یا کئی رکعتیں جاتی رہی ہوں۔ جیسے ایک شخص امام کے ساتھ شریک ہوا۔ لیکن قعدے میں بیٹھے بیٹھے سو گیا۔ اور اتنی دیر سو یا رہا کہ امام نے ایک یا دو رکعتیں اور پڑھ لیں۔ سو لاحق کی ہر رکعت کسی عذر مثلاً سو جانے یا وضو ٹوٹ جانے سے رہ گئی ہوں۔ تو جس وقت وہ جاگے یا وضو کر کے واپس آئے۔ تو پہلے اپنی چھوٹی ہوئی نماز امام کا ساتھ چھوڑ کر پڑھ لے۔ اور اس طرح پڑھے جیسے امام کے ساتھ پڑھتا ہے۔ یعنی قراءت نہ کرے۔ اور جب اسی ترتیب سے چھوٹی ہوئی نماز پوری کر لے۔ تو امام کے ساتھ ہو کر باقی نماز پوری کرے اور اگر امام فایض ہو چکا ہو۔ تو اسی طرح باقی نماز پوری کرے۔ جیسے امام کے پیچھے پڑھتا ہے۔ اور اس حالت میں اگر اس سے کوئی سہو ہو جائے۔ تو سجدہ بھی نہ کرے۔ کیونکہ اس وقت بھی وہ مقتدی ہے۔ اور مقتدی کے سہو پر سجدہ سہو لازم نہیں آتا۔

مستحب لاحق وہ ہے کہ دوسری رکعت میں بحالتِ قیام امام کے ساتھ شریک ہو۔ پھر تیسری یا چوتھی رکعت میں سو گیا یا وضو ٹوٹ گیا۔ اور امام کے

کچھ ارکان ادا کرنے یا پوری نماز ادا کرنے کے بعد بیدار ہوا یا وضو سے فارغ ہوا۔ اسے چاہیے کہ پہلے اپنی ان رکعات کو جو امام کی اقتدار کے بعد فوت ہوئیں۔ لاحق کی طرح بنا قراءت پڑھے۔ اور پھر اسی رکعت کو عواذ سے پہلے فوت ہوئی ہے۔ مسنون کی طرح معہ قراءت ادا کرے۔

مالونہ مالتو جان جہاں اختیار ہے

ہم نیک و بد مفور کو سمجھائے جاتے ہیں

امام کا خطاب

دل مُردہ دل نہیں ہے، اسے زندہ کر دوبارہ
 کہ یہی ہے، اُمتوں کے مرضِ کهن کا چارہ !
 خطبہ بھی نماز کی طرح ایک عبادت ہے۔ جسے موعظۃ الامام بھی کہتے
 ہیں۔ لیکن دونوں کے مقاصد مختلف ہیں۔ نماز، عبادۃ اللہ، تسبیح و تہلیل اور
 دعا و سجود ہے، جس کا مقصد یادِ الہی، ذاتِ حق کی طرف رجوع اور خشیت و
 اقامتِ وغیرہ ہے۔ اور خطبہ و عظ و ارشاد اور اصلاح و ترقیِ ملت کے ایک
 پر وگرام کی حیثیت رکھتا ہے۔ جس کا مقصد عامۃ الناس کو ان کی اپنی سیاسی
 ضروریات سے آگاہ و خبردار کرنا ہے۔ تاکہ مسلمان اجتماعی، سیاسی، تعلیمی،
 تمدنی، ملکی اور معاشری اعتبار سے ترقی کرتے رہیں۔ امام بمنزلہ ایک مقرر
 کے ہو رہے۔ اور نمازی بمنزلہ حاضرینِ جلسہ کے۔ اور خطبہ صدرِ جلسہ کی ایک
 تقریر ہے۔ قائدِ ملت کا ایک لیکچر ہے۔ ہر شخص جانتا ہے کہ رسول اکرمؐ اور
 آپ کے صحابہ کرامؓ نے مختلف اوقات میں مختلف خطبے دیے ہیں۔ اور ہر

ایک خطبہ زمانے کی رفتار اور ضروریات وقت کو پیش نظر رکھ کر دیا ہے جس سے مسلمانوں کے ایمان تازہ، نظر وسیع، حوصلے بلند، عزم راسخ اور عمتیں قوی ہوتی تھیں۔ مگر —

ماشعارِ مصطفیٰ از دستِ رفت

قدمِ رازمِ بقا از دستِ رفت!

خطبے کے جملہ مقاصد اس وقت تک پوری طرح حاصل نہیں ہو سکتے جب تک کہ خطبے کو پوری طرح سمجھانہ جائے۔ خطبہ میں خدا کی حمد و ثنا کے علاوہ شریعت کے احکام، اخلاق و اعمال کی اصلاح کے لئے نصائح، اور قومی و شخصی ضروریات کے تمام امور پر روشنی ڈالی جاتی ہے۔ غرضیکہ خطبہ مسلمانوں کی اجتماعی زندگی کا ایک متحرک اور کارفرما پرزہ ہے۔ اس کے ذریعہ تمام مسلمانوں کو جمع کر کے خدا کے احکام ان پر پہنچائے جاتے ہیں۔ دین کی تعلیمات ان کے ذہن نشین کی جاتی ہیں۔ ان کی انفرادی و اجتماعی کمزوریوں کی اصلاح کرنے کے علاوہ قومی فلاح و بہبود کی طرف ان کی توجہ معطوف کی جاتی ہے۔

اگر نماز کی طرح خطبے کیلئے بھی عربی زبان کو لازمی قرار دے دیا جائے تو اس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ غیر عربی زبان لوگوں کے لئے وہ محض ایک بے معنی چیز اور ایک سبھی نہیں سمجھیں کہ رہ جاتی۔ اور شارع کے وہ تمام مقاصد فوت ہو جاتے جس کے لئے اس نے خطبہ شروع کیا تھا۔ بلکہ ایسی صورت میں خطبہ بالکل بے سود ہو جاتا۔

اور انہیں اس سے کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا ہے۔ وہ بیٹھے انگٹے رستے میں غنڈگی
 خوب ہوتی ہے۔ اور اچھے خاصے دستو بھی بکروہ ہو جاتے ہیں۔ باقی رہا دل لگنا۔ سو
 دل تو اسی مضمون پر لگتا ہے جسے انسان سمجھے۔ مگر یہاں تو اکثر اوقات خود پڑھنے
 والا بھی نہیں سمجھتا کہ میں کیا پڑھ رہا ہوں اور کیا بتا رہا ہوں۔ خدا جانتا ہے
 کہ یہ صورت کب سے قائم ہے۔ خطبہ ایک خالص مذہبی مسئلہ تھا۔ ایک ضرورت
 کی چیز تھی۔ مگر فرزند ان تو حمید نے اپنی کم بختی سے اسے کیا سے کیا بنا دیا۔ اور خطبہ و
 نماز کے تمام فوائد ضائع ہو کر رہ گئے۔

جائز کیا ہمساد کو شمشیر کے بغیر!

قرآن اگر پڑھا بھی تو تفسیر کے بغیر!

ابنا خطبے کے لئے شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عربی زبان لازمی قرار نہیں
 دی۔ بلکہ خطبہ اسی زبان میں بہتر قرار دیا گیا ہے۔ جسے سامعین بخوبی سمجھ سکتے ہوں
 البتہ اس سے اتحاد بین الملیٰ میں ضرور فرق آجاتا ہے۔ مگر اس کا علاج یہ ہے کہ
 خطبہ کا ایک حصہ تو لازماً عربی زبان میں ہو جو خدا کی حمد و ثناء، رسول اللہ اور آپ کے
 اصحابؓ پر صلوٰۃ و سلام اور آیات قرآنی کی تلاوت کے لئے مخصوص کیا گیا ہو اور
 دوسرا حصہ جو اسلامی تعلیمات، احکام، مواعظ اور دینی ضروریات پر مشتمل
 ہو وہ ایسی زبان میں ہو۔ جسے حاضرین یا ان کی اکثریت سمجھتی ہو جس کے لئے
 ہندوستان میں اردو زبان نہایت موزوں ہے۔ مگر جہاں مسلمانوں کا بین الاقوامی

اجتماع ہو۔ وہاں عربی کے سوا کسی دوسری زبان میں خطبہ نہ دیا جائے۔

عام فہم زبان میں خطبہ پڑھنے کی ضرورت جس بنیاد پر ظاہر کی جاتی ہے۔۔۔۔۔
 صرف یہی ہے کہ لوگ اس کو سمجھیں اور فائدہ اٹھائیں۔ گویا اصل مقصود سمجھنا نہیں
 بلکہ فائدہ اٹھانا ہے۔ لیکن اگر ایسی صورت ہو کہ سمجھنے سے بجائے فائدہ کے الٹا
 نقصان ہو۔ تو اس صورت میں بجائے سمجھنے کے نہ سمجھنا ہی بہتر ہے۔ اب قدرتی
 قوم کی حالت کا بھی جائزہ لیجئے۔ یہاں امامت کا معیار حد سے زیادہ پست ہو چکا ہے
 امامت کا حلیل القدر منصب بعض ایسے نااہل لوگوں کے ہاتھوں میں چلا گیا ہے۔
 کہ وہ اردو زبان میں خطبے دیکر اپنی قوم کی دینی و دنیوی اصلاح نہیں کر سکتے۔
 دوسرا گروہ ایسے علماء و کاہن جو ایسے ماحول میں رہے ہیں۔ کہ اگر انہیں عام
 فہم زبان میں ہانے خطبے دینے کا موقع دے دیا جائے تو آئے دن ہر پھٹیل
 شروع ہو جائے گی۔ اور بجائے فائدہ کے الٹا نقصان شروع ہو جائے گا۔ اب
 رہے جدید تعلیم یافتہ اصحاب، جوان میں سے بھی اکثر اپنی کم ظرفی کی وجہ سے
 ان مسائل کی صحیح صحیح تعبیر نہیں کر سکتے۔ لہذا خطبہ غیر عربیہ کے اجراء سے
 بیشتر ان خطرات کا تدارک کرنا ضروری ہے۔ اردو بہتر ہے۔ کہ اہل علم کی
 کوئی معتدل جماعت خطبات کا ایک ایسا مجموعہ مرتب کرے جو تدریسی مسائل
 سے بالکل پاک ہو۔ مسلمانوں کی تمام ضروریات پر عادی ہو۔ ان کی صحیح
 رہنمائی کرنے والا ہو۔ ضروریات حاضرہ کے مطابق ہمیشہ اس میں ترمیم و تنسیخ

ہوتی ہے۔ امدادیں معتدل مرکزی جماعت کے خطبے باقاعدگی کے ساتھ
 مساجد میں وقت مقررہ پر پہنچائے جائیں۔ اور جب تک یہ تنظیم نہ ہو اس وقت
 تک ہی عربی خطبے چلنے دئے جائیں۔

ہاں! اگر خوش قسمتی سے کوئی مناسب خطیب مل جائے تو اسکی خدمات
 سے فائدہ اٹھانے میں دریغ نہ کیا جائے۔

یارب: وہاں مسلم کو وہ زندہ تمنا دے
 جو روح کو بڑا دے، جو قلب کو گرا دے:

امام کی ہر وعظری

یہی مقصودِ فطرت ہے، یہی رہبرِ مسلمانی
انوت کی ہمہ انگیزی، محبت کی فراوانی !

امامت ایک ایسا قابلِ قدر منصب ہے۔ جس کا تعلق ہر کہ و ہر کے
ساتھ کیساں ہوتا ہے۔ چھوٹے سے لے کر بڑے تک، جوان سے لے کر ادا صیر
عمر تک، اور جاہل سے لے کر عالم تک وہ ہر قسم کے مقتدیوں کی اصلاح کا
ذمہ دار ہوتا ہے۔ قوم کے منتشر اوراق کی شیرازہ بندی کرنا اس کا سب سے
بڑا فرض ہوتا ہے۔ جب تک وہ ہر وعظری ہو۔ سب کے دل میں اس کی قدر
نہ ہو۔ ہر کس و نا کس پر اس کا اثر نہ ہو۔ اس وقت تک وہ اپنے مقصد میں کما حقہ
کامیاب نہیں ہو سکتا۔ لہذا امام کے لئے ضروری ہے کہ تمام مقتدیوں پر اپنی
شخصیت کو ممتاز بنائے۔ اور سب کے سامنے ایک مؤثر اور نفع بخش وجود
ثابت ہو۔ ہر فرد و بشر کے دل میں اس کے متعلق خوف و رجا موجود ہو۔ سب
پر اس کا اثر ہو۔ اور وہ خود کسی سے مرعوب نہ ہو۔ آنحضرتؐ کے اسوہ حسنہ کا

صحیح منظر ہو۔ آپ کے تمام تعمیری پروگرام کا حقیقی ترجمان ہو۔ اس کی طبیعت عدل و انصاف کا ماتخذ ہو۔ اور احرائے احکام کے لئے اس کی اخلاقی جرأت اس کے لئے عصائے موسوی ہو۔ اور اس کی ہر نقل و حرکت اس کے مقتدیوں کے لئے قابل تقلید نمونہ ہو۔

یہ مقصد اسی صورت میں پورا ہو سکتا ہے جبکہ امام اپنے کام کا پورا پورا اہل ہو۔ اپنے منصب کے لئے اسم باسمے کا مترادف ہو۔ باہر فن ہو۔ مستعد کار ہو۔ سرگرم عمل ہو۔ اور غوام الناس کے لئے اس کی شخصیت کسی نہ کسی طرح مفید ہو۔ اس کا وجود یہ سبب ظاہری و باطنی اوصاف کے باعث ہو۔ جس ماحول میں وہ رہتا ہے۔ اس میں پوری طرح باوقار ہو۔ کوئی بڑی سے بڑی خود غرضی بھی اس کے وقار کو ضائع نہ کر سکے۔ بلکہ اپنی خود داری اور وقار کی حفاظت کے لئے وہ دنیا کی بڑی سے بڑی نعمتوں کو قربان کرنے کے لئے تیار ہو۔ قربانی اور ایثار کا مجسمہ ہو۔

امام کا لہجہ ہمدردانہ ہو۔ طبیعت گداز ہو۔ بردبار اور متحمل مزاج ہو۔ بد خو اور تشرذم نہ ہو۔ خود سب کی عزت کرے۔ دوسروں سے اپنی عزت کرا تا جانتا ہو۔ بنی نوع انسان کی فلاح و بہبودی کا مجسم ولیتا ہو۔ اور ان تمام صفات سے متصف ہونے کے علاوہ اپنے فرائض منصبی اور مقصد حقیقی کو ہر وقت پیش نظر رکھے۔ سوائے خدا تعالیٰ کے کسی سے نہ ڈرے۔

توں سے تجھ کو امیدیں خدا سے تو میدی

مجھے بتا تو سہی اور کافری کیا ہے!

امام اپنے معتدلیوں کے ہر شعبہ زندگی کا بہترین مشیر ہو۔ ہر کس و ناکس
اس کے مشورہ کا ہر وقت محتاج ہو۔ اس کا بہترین مشورہ ان کے تسکین قلب کا
باعث ہو۔ اس کا ہر فیصلہ ان کے اطمینان کا سبب ہو۔ اس کی ہر ادا ان کیلئے
قابل تسلید ہو۔ اس کا ہر قول ان کی زندگی کا سہارا ہو۔ اس کا ہر فعل ان کے
لئے ایک نمونہ ہو۔ باوجود ان سب صفات کے وہ کسی کا محتاج نہ ہو۔ بلکہ
لوگ اس کے محتاج ہوں۔ اور وہ خود سب سے مستغنی ہو۔

ترقی کیلئے ہے ذہرِ قابلِ نور کے محتاجی

کبھی متابِ نورِ شید و خشان ہو نہیں سکتا!

امام کا حسن سلوک

محکوم کو پیروں کی کرامات کا سودا
ہے بندہ آزاد خود اک زندہ کرامات !

امام حسن صودت و حسن سیرت دونوں اوصاف سے متصف ہو۔ سچ پوچھو
تو انسان کی حقیقی خوبصورتی اور اصلی حسن و جمال اس کے اخلاق و فاضلہ اور پاکیزہ عادات
اظہار میں۔ اسلام میں پرہیزگاری اور ضبط نفس سے بڑھ کر کوئی خوبی اور کمال نہیں مفسور
علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت کا مقصد ہی تکمیل اخلاق تھا۔ امام ابوحنیفہ رحمہ
آدمی دنیا کے مسلمانوں کے امام تھے۔ آپ خوش اخلاقی کے پیکر تھے اسلام
کی اخلاقی زندگی کا چلتا پھرتا نمونہ تھے۔ آپ کی زندگی حسن و عمل کی ایک زندہ
مثال تھی۔ ان کے اخلاق کی نگہت سے ہر مشام عالم معطر ہوتا تھا۔

اسی طرح مسلمانوں کے ہر امام کے لئے ضروری ہے کہ وہ متقی اور پرہیزگار
ہوں۔ منہیات سے بچنے والا ہو۔ سخی اور فیاض ہو۔ دبیہی عزہ جاہ کو حقیر سمجھے۔ اہل
غرض سے متعرض رہے۔ اپنی روزی خود کسی مستقل پیشہ کے ذریعے پیدا کرے۔

علم و مال دونوں کو دینی و ربانی خدمت میں خرچ کرے۔ مزاج میں تصنع اور تکلف نہ ہو۔ خوش وضع و خوش پوش ہو۔ لغویات سے کنارہ کشی کرے اور امر حق کے اظہار کی جرأت رکھتا ہو۔

امام ابو حنیفہ رحمہ جو حق گیری کا نمونہ تھے۔ ان کے متعلق مشہور ہے کہ ایک دفعہ خلیفہ ہارون الرشید اور اس کی بیوی حرہ خاتون میں کچھ شکوک و شبہات پڑ گئی۔ خاتون کو شکاوت تھی کہ خلیفہ عدل نہیں کرتا۔ منصور نے کہا کسی کو منصف قرار دو۔ خاتون نے کہا اچھا میں اس معاملے میں امام صاحب کو منصف قرار دیتی ہوں۔ چنانچہ امام صاحب کو طلب کیا گیا اور خاتون پس پردہ بیٹھ گئی۔

پھر منصور اور امام صاحب میں حسب ذیل گفتگو ہوئی۔

منصور۔ شرع کی رو سے مرد کتنی عورتوں سے نکاح کر سکتا ہے۔

امام صاحب۔ چار عورتوں سے۔

منصور۔ (پردہ کی طرف مخاطب ہو کر) سنتی ہو! امام صاحب کیا فرماتا ہے

میں پردہ سے آواز آئی، ہاں۔ سنا۔

امام صاحب۔ (منصور سے) مگر یہ اجازت اس شخص کے لئے خاص ہے۔

جو چاروں میں عدل و انصاف قائم رکھنے پر قادر ہو۔ ورنہ ایک سے زیادہ نکاح

کرنا اچھا نہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ "يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّبِعُوا هَذِهِ السُّبُلَ"

پس منصور یہ سن کر چپ ہو گیا اور امام صاحب اپنے گھر واپس آ گئے۔ خاتون نے

بعد میں امام صاحب کی حق گوئی سے خوش ہو کر بچا س ہزار دم آپ کی نظر بھیجے۔ مگر آپ
نے واپس کر دئے۔ رائے فرمایا کہ جو کچھ میں نے کہا ہے۔ وہ کسی غرض سے نہیں۔ بلکہ
اپنا فرض منصبی سمجھ کر کہا ہے۔ یہ

کہہ سکتے تھے جو اپنے زمانے کے امامت

وہ کلمہ دماغ اپنے زمانے کے ہیں پروا

غرضیکہ امام حق و صداقت کا مجسمہ ہو اور خوش اخلاق ہو۔ خود اپنے مقتدیل
سے نیک سلوک کرے اور انہیں حسن سلوک کی ترغیب دے۔ انہوت اور ہمدردی
کے جذبات ان میں پیدا کرے۔ برادرانہ الفت پیدا کرے۔ ایک دوسرے کے
دیکھ درد میں شریک ہوں۔ رنج و غم میں ایک دوسرے کا ہاتھ بٹائیں۔ اور اپنی
چند روزہ زندگی کو خوشگوار اور کامیاب بنائیں۔ یہ

وہ چال چل کہ عمر خوشی سے کٹے تیری

وہ کام کر کہ یاد تھے سب کیا کریں !

۱/

امام کا پیشہ

بھٹکے جو آدمی ہو کر بھی غیبِ اللہ کے در پر
بشرِ حاصل تو کیا ہوگا، وہ شیطان ہو نہیں سکتا!

جو لوگ اپنی روزی کے لئے کوئی مستقل پیشہ نہ رکھتے ہوں۔ اور گمراہوں کی

جیب سے پیسے نکالنے کے لئے طرح طرح کے حیلے بنانے والے ہوں وہ امامت

کے قابل نہیں۔ ہادی برحق علیہ الصلوٰۃ والسلام یا آپ کے صحابہؓ نے کبھی ہدایت

کی اجرت نہیں لی۔ اور کتاب اللہ بار بار اپنے پیغمبرؐ کی زبانی یہ بتاتی ہے کہ

جو لوگ اصلاح و ہدایت کیلئے کوشش کرتے ہیں۔ وہ محض خدا تعالیٰ کی خوشنودی

اور عوام کی مہبودی کے لئے کرتے ہیں۔ اور وہ کوئی معاوضہ نہیں چاہتے۔

کسی نبی یا ولی نے آج تک بغیر ہاتھ کی کمائی کے نہیں کھایا۔ حضرت داؤد

علیہ السلام لوہے کی زدہ بناتے تھے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام چٹائی بنا کرتے

تھے۔ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے تجارت کو اپنا ذریعہ معاش اختیار کیا

اور حضرت ابراہیم ادہم رحمۃ اللہ علیہ نے مدینہ میں لکڑیاں فروخت کر کے اپنی روزی

پیدا کی۔ غرضیکہ کوئی بنی یا دلی اپنے مریدوں کا دست نگر نہ بنا۔ اسی لئے اُن کی بات میں وزن اور کلام میں اثر تھا۔

مگر آجکل ہدایت پیشہ لوگ و عظمیٰ اُہرت، دعا کی تندرادر پیری کی دست گیری مانگتے ہیں۔ اور مسموئی شریک کے امام مسجد میں پانچوں وقت کی امامت کرانے کے سوا اگر کوئی اور ذمہ داری محسوس کرتے ہیں۔ تو وہ نیاز کے پیسے وصول کر کے خود بیکندے اور جھوٹے گھونک کر دیتا ہے۔ فاتحہ کی روٹی ان کا من و سلویٰ اور دل گئی تو کفن کی چادر مالِ غنیمت مسجد سے تنخواہ ان کی نماز پڑھانے کی صحیح اُہرت اور معاش کا ذریعہ ہے۔ پھر انکی بات میں ثقت کیسے ہو۔ جنکے یہ خود محتاج ہیں۔ انکی اصلاح کیسے کریں۔

ترقی کے لئے ہے زہر قاتل خوئے محتاجی

کبھی مہتاب خورشید درخشاں ہو نہیں سکتا!

انکی زندگی کا تاریک ترین پہلو یہ ہے۔ کہ مسلمانوں میں اختلاف کا بڑھانا اور ان میں شدت کا پیدا کرنا ان کا معیار و اقتدار بن چکا ہے۔ اور ایسے لوگوں کی بدولت ملتِ واحدہ میں مذہبی، سیاسی اور معاشرتی نقطہ نظر سے اتنی نفرت انگیز تفریق ہوتی جا رہی ہے۔ کہ اس کا رفع کرنا کسی کے بس کا روگ نہیں ہے۔ غرضیکہ ہمارا یہ قابلِ قدر طبقہ ذرا عجب سے اتنا ہی غافل ہے۔ جتنا کہ دوسرے نماز رندہ سے لاپرواہ ہیں۔ جائے غور ہے کہ جب جیتی جاگتی دنیا پر انہیں قابو نہ رہا۔ تو یہ کیونکر یقین آ سکتا ہے۔ کہ ان دیکھی دنیا ہنوز ان کے ٹھیکے میں ہوگی اسے

لے بسا آدم کہ ایسی کتہ

لے بسا شیطان کہ اور سی کتہ

ہمارے علماء میں آزادی و بیباکی کی طاقت اسلئے نہیں کہ وہ اپنا پیٹ بھرتے ہیں۔

دوسروں کے محتاج ہیں۔ انکی تمام اغراض بے دینیوں، منافقوں، کافروں اور اہل بدعت کے

ساتھ وابستہ ہیں۔ ہزاروں تعلقات اور مصلحتیں ہیں۔ جو انکی زبان پر بالادالے ہوئے ہیں اور

سینکڑوں ایسے امور ہیں جو اظہار حقیقت کی راہ میں ان کیلئے سد راہ ہیں۔

قبول دلی کے مسلمان ملک التجار تھے۔ چاروں گلوب عالم میں انکی تجارت چھندے گئے

ہم نے تھے۔ بندر گاہیں ان کے دم سے آباد تھیں۔ آقا سے ماند ر رسول اکرم صلی اللہ علیہ

وسلم خود تاجو تھے۔ آپ کے خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیق تاجو تھے حضرت عثمان غنی کی

غناو کار از اسی تجارت میں مضمر تھا۔ اور امام ابوحنیفہ کا مستقل ذریعہ معاش اسی تجارت

پر تھا۔ پس آمدنی کے وسائل میں سے تجارت ہی ایک ایسا کامیاب ذریعہ ہے جس سے

دینی و دنیوی ترقی کی راہیں کھل سکتی ہیں۔ لہذا خود تجارت کرو۔ اپنے مقصدوں کو تجارت کا

شوق دلاؤ۔ البتہ تجارت کیلئے امانت و دیانت، خوش اخلاقی، پاکبازی، محنت،

خوش معاملگی اور لین دین میں صفائی ضروری ہے۔ بدول ان کے کامیاب ہونا ناممکن

ہے۔

ہر کام میں کامیاب ہونے کے لئے

محنت کرو، محنت کرو، کہ ہے محنت درکارا

امام کی صنعت

غافل متشیں نہ وقت بازی سست
وقت بہتر است و کار سازی سست !

امام کو ہر ذلعلزیز بننے کے لئے ضروری ہے۔ کہ وہ ماہر فن ہو، باہر مہر ہو، ہر فرد و بشر کو اس کی ضرورت ہو۔ اس کا وجود کسی نہ کسی طرح سب کے لئے فائدہ بخش ہو۔ اور وہ خود ستمے الوسع و دوسروں سے مستغنی ہو۔ اور اپنی معاش کے لئے کوئی شریعت پیشہ رکھتا ہو۔ علمی، ادبی، اخلاقی، اور اقتصادوی حالت میں اپنے زیر اثر حلقہ میں سب سے ممتاز ہو۔ قیادت کا پورا پورا اہل ہو۔ سب لوگ اس کی دل و جان سے عزت کریں۔ زبان سے اس کی بزرگی کا اعتراف کریں۔ اس کے احکام کی برفنا و رغبت تعمیل کریں۔ اور ہر نقل و حرکت میں اس کی تقلید کرنا باعث فخر سمجھیں۔ اور یہ اسی صورت میں ہو سکتا ہے جبکہ سب اس کے محتاج ہوں اور وہ خود کسی کا محتاج نہ ہو۔

دست طلب بہ پیش کئے کردہ دراز

پل بستہ کتر آب شے خویش بگری

یعنی تو نے اگر طلب کیا تھا کسی دوسرے کے آگے دراز کیا۔ تو اپنے آبِ رو
د آبرو سے گذر جانے کے لئے ایک پل تیار کر لیا۔ مطلب یہ کہ سخت کوشش کی
آبرو گوارا نہیں کرتی کہ دوسروں کی امداد سے تعمیل مدعا کرے۔ آسان گیری
کو وہ بے آبروئی سمجھتا ہے۔ اور سخت کوشش و ضبط نفس سے کام لے کر حصول
مقصد میں کامیاب ہو جاتا ہے۔

تن آسانیاں چاہیں اور آبرو بھی

وہ قوم آج ڈوبے گی، گر کل نہ ڈوبی!

اگر امامِ قدر سے طبابت اور خصوصاً ابتدائی طبی امداد (First Aid) کے
واقف ہوگا۔ اتفاقی حادثات میں لوگوں کی مدد کرنا جانتا ہوگا۔ ناگہانی مصدات کا
تدارک آتا ہوگا۔ فردی ضروریات کو پورا کر سکتا ہوگا۔ اور دوسروں کے لئے مفید
ہوگا۔ تو اس کی قدر و منزلت بہت زیادہ ہوگی۔ اس کے تعلقات وسیع ہونگے
ہر ذلت دوسروں کو اس کی حاجت رہے گی۔ وہ خود کشاں کشاں اس کے
پاس آئیں گے۔ اور اسے رشد و ہدایت کا زیادہ موقع ملے گا۔ لہذا ہر امام
کے لئے ضروری ہے کہ وہ فست ایڈ سے پوری طرح واقف ہو۔ تیمارداری
کے قاعدے جانتا ہو۔ اتفاقی حادثات اور ناگہانی واقعات کا تدارک کر سکے۔

اور اگر اس کے ساتھ تھوڑی سی طبابت اور دوا سازی بھی سیکھ لے۔ تو
پھر سونے پر سہاگر ہے۔ امام کیلئے ایک نہایت مختصر سی ڈسپنسری (Dispensary)
کا قائم کرنا بھی خالی از قاعدہ نہ ہوگا۔ جس میں ضروری نسخہ جات ہر وقت تیار ہوں
اور لوگوں کی ناگہانی ضروریات کو کفایت کر سکیں۔

علامہ ازیں امام کیلئے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ شرعی تحریرات اور قسم نکاح
وغیرہ لکھ سکتا ہو۔ ڈاک اور تار کے غنایطہ سے پوری پوری واقفیت رکھتا ہو۔
کافلات مال کے سمجھنے پر قدم سے عبور ہو۔ موٹی موٹی دیوانی و نوحداری و نفقات سے
واقف ہو۔ غرضیکہ ہر فن ہر لاکا مترادف ہو۔ اور دوسروں کا دست گزند ہو۔

حقاً کہ باعقوبت دوزخ برابر است

رفتن بہ پائے مردی ہم سایہ در بہشت

امام کی تربیت

مجاہدانہ حرارت رہی نہ صوفی میں

بہانہ بے عملی کا اپنی شراب الست

آنکہ مساجد کے لئے سب سے پہلے جس چیز کی ضرورت ہے۔ وہ علمی

استعداد ہے۔ اگر علمی استعداد تسلی بخش ہوگی۔ تو وہ شخص ہر قسم کی ضروریات

کے لئے تیار ہو سکتا ہے۔ مطالعہ کتب سے مدد لے سکتا ہے۔ رسالوں اور

اخباروں کے مطالعہ سے مدد لے سکتا ہے۔ مذہبی اصولوں کی اہمیت کو خود

سمجھ سکتا ہے۔ دوسروں کو سمجھا سکتا ہے۔ سیاسی حالات پر تبصرہ کر سکتا ہے

قوم کی ترقی و تہل کے اسباب پر بحث کر سکتا ہے۔ اور کچھ عرصے کی جدوجہد

کے بعد اپنے فن کا پورا پورا اہل بن سکتا ہے۔ مگر برخلاف اس کے اگر علمی

استعداد ہی کم ہوگی۔ تو کل زمین کی طرح وہاں کوئی چیز نہیں اُگ سکتی۔ اور ایسی

زمین میں خواہ مخواہ بیج ڈال کر اس کا ضائع کرنا دشمنی کے خلاف ہے۔

آنکہ مساجد کے لئے دوسری ضروری چیز مطالعہ کتب کی عادت ہے۔

”علم بہ بحث مال بہ تجارت“ علی استعداد کوئی ماں کے پیٹ سے لے کر نہیں آتا مطالعہ سے جس قدر چاہیں اپنی استعداد بڑھا سکتے ہیں مگر جنہیں علم سے محبت نہیں۔ مطالعہ کی عادت نہیں۔ وہ قدرتی طور پر علم سے متنفر، اہل علم کے دشمن، علماء کی صحبت سے بیزار اور جہلاء کی صحبت کے عادی ہوتے ہیں۔ جس کا نتیجہ یہ کہ اہل علمان کی امامت سے بیزار ہو کر ان کے ساتھ مسجد سے، مسجد کے ساتھ نماز سے، نماز کے ساتھ دیگر ارکان دین سے اور ہوتے ہوئے اسلام سے بھی بیزار ہو جاتے ہیں۔ پس ایسے امام کے ہونے سے اس کا نہ ہونا ہی بہتر ہے اور ایسے امام سے جس قدر جلدی ہوئے مسجد کو خالی کرالینا چاہیے۔

خود بدلتے نہیں قراں کو بدل دیتے ہیں

ہوئے کس مذہب فقہان حرم بے توفیق!

دنیا میں جتنے بھی بڑے بڑے پیشے ہیں سب کے لئے کہیں نہ کہیں ٹریننگ سندھ بنے ہوئے ہیں۔ کلرک سے لیکر انسر انچارج تک، پیواری سے لے کر افسر مال تک، ٹیچر سے لے کر پرنسپل تک، اور سپاہی سے لے کر جرنیل تک غرضیکہ کوئی اہلکار اپنے اپنے کام کا پورا پورا اہل نہیں سمجھا جاتا۔ جب تک کہ وہ اپنے محکمہ سے باقاعدہ ٹریننگ لے کر کامیابی کا سارٹیفکیٹ حاصل نہ کرے۔ اور محکمہ مذکور کے بڑے بڑے ماہر فن اس کی قابلیت پر صاوندہ کریں۔

مگر امامت کے جلیل القدر منصب کی باگ ڈور ایک اناڑی، جاہل اور کندہ ناتراش کے

ہاتھوں میں وسے دینا اور پھر اسے روزِ قوم کی گری ہوئی حالت کے رونے دینا اور
 قومی اصلاح کے لئے العطش العطش کی پکار کرنا کس قدر عجیب انگیزہ ہے۔ امام مسجد
 جو دراصل اپنی قوم کا سچا ریفارمر ہے۔ مذہبی پیشوا ہے۔ سیاسی لیڈر ہے۔ معلم
 ہے اور ادیب ہے۔ جب تک باقاعدہ اس کی ٹریننگ نہ کی جائے۔ اسکی قومیت
 کے لئے ایک بہترین نصاب تیار نہ کیا جائے۔ اسے ہر قسم کے ضروری مہضیا دلوں سے
 مستمع نہ کیا جائے اس وقت تک قومی اصلاح کے لئے کوشش کرنا ہوا پر گروہ
 لگانے کا حکم رکھتا ہے۔

مثال ماہ چمکتا تھا جن کا داغ سجد

خرید لی ہے فرنگی نے وہ شلمانی !

پس حکومت پاکستان کا سب سے پہلا فرض یہ ہے کہ وہ آئندہ مساجد کی اصلاح کیلئے ایک مستقل
 ادارہ قائم کریں۔ خاص قابلیت کے اصحاب اس عہدے پر نصب کیلئے انتخاب کئے جائیں۔ جگہ
 بجگہ ان کیلئے ٹریننگ سنٹر بنائے جائیں۔ ماہر فن اساتذہ کی زیر نگرانی ان کو ٹریننگ دی جائے
 بعد میں انکی قابلیت کا باقاعدہ امتحان لیا جائے اور کامیاب اصحاب کو امامت کی سند دیکر
 فارغ کر دیا جائے۔ اور وہاں سے فارغ التحصیل اصحاب کو اس عہدہ کیلئے پرمیٹرز دیا
 جایا کرے۔ تو اس طرح قوم کی انفرادی و اجتماعی اصلاح کی امید کی جاسکتی ہے۔

یہ ذکر نیم شبی یہ مراقبہ یہ سرور

تیری خودی کے نگہاں نہیں تو کچھ بھی نہیں !

امام کی ضروریات

تجھے کتاب سے ممکن نہیں فروغ کہ تو !
کتاب خواں ہے ، مگر صاحب کتاب نہیں !

ہر ایک پیشہ دراپنی اپنی ضروریات کی چیزیں ہر وقت اپنے پاس موجود رکھتا ہے۔ سپاہی اپنے آپ کو پوری طرح مسلح کر لیتا ہے۔ تب میدان جنگ میں جانے کے قابل ہوتا ہے۔ طالب علم اپنی تمام ضروریات کی چیزیں بستہ میں رکھ لیتا ہے۔ تب مدرسے کی راہ لیتا ہے۔ جس طرح ایک بہترین طبیب اپنے استعمال کی تمام کتب ہر وقت اپنے مطب میں موجود رکھتا تھا۔ اسی طرح ایک ماہر امام بھی اپنی ضروریات کی تمام کتب ہر وقت اپنے پاس موجود رکھتا ہے۔ سو اس کے لئے ہر ایک مسجد میں ایک مختصر سا کتب خانہ قائم کرنا اشد ضروری ہے۔ خواہ وہ کتب خانہ امام مسجد خود تیار کرے خواہ مسجد کے مشترکہ فنڈ اور معتدلیل کی مدد سے تیار کر لیا جائے۔ یہ کتب خانہ مسجد میں یا مسجد سے ملحقہ مکان یا امام کے گھر میں ہونا چاہئے۔ جہاں امام بوقت ضرورت ہر قسم کے مسائل دیکھ سکے اور معتدلیوں کی تمام ضروریات پوری کر سکے۔

امام مسجد کے کتب خانہ میں کم از کم حسب ذیل کتب کا ہر وقت موجود رہنا
اشد ضروری ہے۔ جو معمولی قابلیت کے امام کی پیش آمد، ضروریات کو بطریق احسن
پیدا کر سکیں گی۔

۱۔ خطباتِ بدر۔ جو زمانہ حاضرہ کے مسلمانوں کی تمام ضروریات کو پیش نظر
رکھتے ہوئے نہایت عام فہم، دلچسپ اور مسلسل اسلوبِ بیان میں خاص ترتیب
سے مرتب کئے گئے ہیں۔ تمام خطبات ترقی مسائل سے مبرا اور دیہاتی و شہری
تمام مسلمانوں کی جملہ ضروریات پر حاوی ہیں۔ مسلمانوں کی دینی و دنیوی، مذہبی
سیاسی و اقتصادی اصلاح کا مکمل بعباب ہیں۔ ہر ایک خطبہ اپنے اپنے موقع و محل
کے مطابق ایسی حکمت عملی سے تیار کیا گیا ہے کہ پڑھتے وقت ایسا معلوم ہوتا
ہے کہ ابھی تیار کیا گیا ہے۔ معمولی سے معمولی قابلیت کا امام بھی حسب استعداد
اس سے پورا پورا فائدہ اٹھا سکتا ہے۔

۲۔ العقائد۔ اسلامی دلی و دماغ میں مذہب اسلام کا صحیح تصور پیدا کرنے
کے لئے تمام ضروری عقائد اسلام کو یکجا فراہم کر کے کتاب ہذا کے مختلف ابواب
میں بہترین ترتیب سے مرتب کیا گیا ہے۔ اور ہر ایک بات کو عقلی و نقلی دلائل سے

۳۔ یہ تمام کتب مولفہ مولوی بدر الدین صاحب تدریس جالندھری شیخ غلام علی اینڈ سنز کتاب منزل تمام
کتب لاہور سے آئمہ مساجد کو مناسب کمیشن پر اور دوسرے لوگوں کو اصل قیمت پر مل سکتی ہیں۔ یہاں
ہر ایک شہر کے مشہور تاجر کتب کی معرفت حاصل کر سکتے ہیں۔

اس طرح ثابت کیا گیا ہے کہ پڑھتے ہی صفحہ دل پر نقش ہو جاتی ہے۔ طرز بیان سادہ مگر دلکش ہے۔

۴۔ الارکان۔ اسلامی عمارات کی تمام بنیادوں اور اس کے در و دیوار کی تکمیل کے لئے تمام ارکان اسلام نماز، روزہ، حج و زکوٰۃ وغیرہ کے متعلق مسائل کتاب ہذا کے مختلف ابواب میں بہترین ترتیب سے مرتب کئے گئے ہیں۔ نئی روشنی کے تعلیم یافتہ طلباء کے مذاق سے موافقت پیدا کرنے کیلئے تمام مسائل کی فلاسفی ساتھ ساتھ ایسے مؤثر انداز میں لکھی گئی ہے جو پڑھنے ہی سے تعلق رکھتی ہے۔ طرز بیان دلچسپ اور عام فہم ہے۔

۵۔ الاخلاق۔ اسلامی عمارت کی چھت کی تکمیل کے لئے اور مسلمانوں کی ادبی، اخلاقی، اصلاح، تمام اسلامی آداب و اخلاق کو کتاب ہذا کے مختلف ابواب میں مؤثرانہ انداز میں مرتب کیا ہے۔ طرز بیان ایسا دلکش اور مؤثر ہے کہ اس کے مطالعہ سے دل نہیں اُگتا تاہم اور ساتھ ساتھ ہر ایک چیز صفحہ دل پر نقش ہوتی جاتی ہے۔

۶۔ الروحانیت۔ اسلامی عمارات کو رنگ و روغن کر لے اور اسے ہر قسم کے سامان آرائش و زیبائش سے آراستہ کرنے کے لئے اسلام کے تمام ضروری روحانی مسائل کو کتاب ہذا کے مختلف ابواب میں خاص طریق سے مرتب کیا گیا ہے۔ اور انسان کی روحانی اصلاح کے تمام لوازمات کے علاوہ معرفت

الہی کا صحیح راہ دکھایا گیا ہے۔

۶۔ الانبیاء، الصحابہ والا دیباء وغیرہ دیگر کتب کا بھی ائمہ مساجد کے کتب خانہ میں موجود ہونا ضروری ہے۔ جن سے بوقت ضرورت کافی فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے۔

۷۔ علاوہ ان کے قرآن مجید۔ بہترین تفسیر قرآن۔ بخاری شریف یا اس کا اردو ترجمہ تاریخ اسلام اور مسلمانوں کی اقتصادی و سیاسی ضروریات کیلئے بھی مختلف کتب کا پیپا کر چھوڑنا خالی از قاعدہ نہ ہوگا۔

فتویٰ ہے شیخ کا یہ زمانہ قسمل کا ہے
دنیا میں اب رہی نہیں تلوار کا رگڑا

امام کا مدرسہ

شکاکت ہے مجھے یارب خداوندانِ مکتب سے
 سبق شاہین بچوں کو دے رہے ہیں خاکبازی کا !
 ہندوستان کی مساجد کسی زمانے میں بہترین مکتب سمجھی جاتی تھیں جن میں
 تمام شرفاء کے بچے تعلیم پاتے تھے۔ اور ان میں وہ تعلیم ہوتی تھی جس سے
 ہمارے طلبہ سرسید، شبلی، حالی، محمد علی آفر اقبال بن کر نکلتے تھے۔ اور وہاں
 کے امام یا معلم کی نہ صرف طلباء بلکہ رؤسا و امراء اور محلہ و شہر میں وہ عزت
 ہوتی تھی۔ جو آج کسی کالج کے پرنسپل کو بھی نصیب نہیں۔ وہ رعب تھا کہ طلباء
 گھروں میں بیٹھے ان کے نام سن کر لرزاتے تھے۔ وہ ادب تھا کہ بڑے بڑے اکابر
 انہیں دیکھ کر تعظیماً کھڑے ہو جاتے تھے۔ اور عمر بھر ان کا نام ادب سے لیتے رہتے
 تھے۔ وہ صرف تعلیم کا ہی نہیں بلکہ بچوں کی تربیت کا بھی خیال رکھتے تھے۔ یہاں
 کہیں ہوتے تھے۔ امام صاحب کی چشم عتاب کا تصور انہیں شرارت و برائی سے
 روکے رکھتا تھا۔ غرضیکہ مسجد کی تربیت اور صحن مسجد کی تعلیم ان میں اذمانیت و

اخلاق کے تمام جوہر پیدا کرتی تھی۔ اور حبیب یہ تعلیم سے فارغ ہوتے تھے تو ایک خوش اخلاق انسان اور مؤتب نمازی کی صورت میں دنیا کے سامنے آتے تھے۔ اور اپنی عملی زندگی میں جو کامیابی حاصل کرتے تھے۔ تمام دنیا ان پر رشک کرتی تھی۔ جس طرح علمی و مجلسی سوسائٹیوں میں وہ ممتاز حیثیت رکھتے تھے۔ اسی طرح معاشرتی و تمدنی دنیا میں بھی قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ مگر اب

نکو کاری کے پردے میں گناہکاری کے علو میں

مقدس بارگاہوں میں دیا کاری کے علو میں

مساجد کے ان مکاتب میں قرآن کریم و احادیث نبوی کے علاوہ فقہ، منطق، فلسفہ، ریاضی اور تاریخ وغیرہ تمام علوم متنازلہ کی تعلیم کا بہترین انتظام تھا۔ مسلمان تو درکنار ہزاروں غیر مسلم بھی ان اسلامی درسگاہوں کے مریضوں میں سے ہوتے تھے۔ مگر یہ خلافت اس کے آج "گر ہمیں کتب دہیں بلانا کار طفلال تمام خواہ شد" والا معاملہ ہے۔ غیر مسلم تو درکنار مسلمانوں کے لئے بھی وہ مکاتب تنگ قوم کا باعث بن رہے ہیں۔ یا تو وہاں درس و تدریس کا کوئی انتظام ہی نہیں اور اگر ہے۔ تو قاعدہ بغدادی، السمر اور زیادہ سے زیادہ ناظرہ قرآن خوانی تک ہی اکتفا کیا جاتا ہے۔ اور اگر شاذ و نادر میں اعلیٰ تعلیم کا بھی انتظام ہے تو وہ بھی اذھور ہے۔ اور وہاں کا ماحول ایسا زہریلا ہے کہ جو طالب علم

وہاں سے فارغ التحصیل ہو کر نکلتے ہیں۔ وہ اس زہریلے ماحول سے متاثر ہو کر
فندی، ہٹ و ہرم، متعصب اور نرामی مسلمان کے مبلغ بن کر اپنی ساری
قوت اتحادی کی دھجیاں بکھیرنے پر صرف کر رہے ہیں۔ اور قوم کے لئے خسر الدنیا
والآخرہ کے مصداق بنتے ہیں۔

کیا ہے تجھ کو کتابوں نے کورِ فوقی اتنا

صبا سے بھی نہ ملا، تجھ کو بوئے گل کا سرخ!

اگر ان تمام امور کے علل و اسباب پر غور کیا جائے۔ تو اس کی زیادہ تر
ذمہ داری ائمہ مساجد پر عائد ہوتی ہے۔ اول تو وہ خود بہترین معلم بننے کے اہل
ہی نہیں۔ اور اگر ہیں۔ تو اس قابل نہیں کہ وہ اپنے طلباء کے لئے ایسا بہترین
نصاب تجویز کر سکیں جو مسلمانوں کی تہذیب نفس اور تزکیہ قلب کے علاوہ قوم
کے اجتماعی مفاد کا بھی حامل ہو سکے۔ لہذا پاکستان اور ہندوستانی مساجد کی
درسگاہوں میں مسلمان بچوں کی مذہبی تعلیم کے لئے مندرجہ ذیل مختصر مگر مکمل تعلیمی
نصاب نہایت مناسب ہے۔ اور مبتدیوں و سکولوں کے تعلیم یافتہ طلباء کی مذہبی
مجلسی تعلیم کے لئے کافی ہے۔ جو علاوہ مذہبی و اخلاقی تعلیم کے ادبی تعلیم کا بھی
مال ہے۔ اسباق کے شروع میں مشکل الفاظ کی تشریح اور بعد میں دھرانے کیلئے
امتحانی سوالات دئے گئے ہیں۔ اس نصاب کی ایک مختصر سی لائبریری ہر ایک
مسجد میں ہر وقت موجود ہو۔ اور طلباء مسجد میں سبقاً سبقاً پڑھنے کے علاوہ گھر پر

بھی اس کا مطالعہ کریں۔ یہ تمام کتب مولفہ مولیٰ بدر الدین عاصب بدر جالندھری
ملاج کمیٹی اور شہر کے مشہور ناشر کتب سے مل سکتی ہیں

بچوں کیلئے دینیات کا نیا نصاب

۱۔ مفتاح القرآن۔ تلاوت قرآن کریم سکھانے کے لئے ایک مختصر
کمل قاعدہ ہے۔ جسے مبتدی استاد کی مدد سے ایک ماہ میں اور اردو پڑھا ہوا شخص
بغیر استاد کی مدد سے ایک ہفتہ میں مطالعہ کر کے صحیح قرآن مجید پڑھ سکتا ہے۔
۲۔ سلسلہ عقائد اسلام المعروف بہ الایمان، الاسلام۔ التوحید، الرسال
القرآن، الاعمال اور الآخرت وغیرہ سات حصص میں مسلمان بچوں کی ابتدائی تعلیم
کیلئے تیار کیا گیا ہے۔

۳۔ سلسلہ ارکان اسلام المعروف بہ الاذان، الطہارت، الصلوٰۃ، الحجا
الصوم، الزکوٰۃ اور الحج وغیرہ سات حصص میں تعلیم الارکان کیلئے تیار کیا گیا ہے۔
۴۔ سلسلہ اخلاق اسلام المعروف بہ الآداب، المحقوق، الاوصاف
العبادات، الاخلاق، الاصلاح اور الانسان وغیرہ سات حصص میں مسلمانوں
کی ادبی، اخلاقی و روحانی حالتوں کی اصلاح کے لئے تیار کیا گیا ہے۔

امام کا روزانہ پروگرام

یار دُوبے آفت اغیار میں

کشتی اسلام ہے منجد عمار میں

ہمتوں کا جوش کا ایساں کا

عج سے نیلام ہے بازار میں!

دنیا میں ہر قسم کی کامیابی باقاعدگی سے اور ہر قسم کی باقاعدگی پابندی
اوقات سے حاصل ہوتی ہے۔ چونکہ کوئی شخص بھی بدولت و فضیلت اوقات
اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکتا۔ لہذا رہنمایان قوم کے لئے عموماً اور
اکبر مساجد کے لئے خصوصاً اس بات کا اہتمام کرنا نہ صرف ضروری بلکہ لازمی
ہے۔ اور انہیں اپنے تمام فرائض منجبتی اور اوقات پر مبنی کو ایسی خوش سلیبی
اور عملی سے ترتیب دینا چاہیے کہ عامۃ الناس ان کی تقلید کرنا باعث
فخر سمجھیں۔ اور ان کا مجوزہ پروگرام عوام الناس کے لئے عمدہ نمونہ کا کام ہے۔
جب مجوزہ پروگرام مرتب کر لیا جائے۔ تو اس پر کار بند رہنا اور اسے

معترض عمل ہیں لانا انسان کے استقلال پر منحصر ہے۔ جب تک انسان اپنے حقیقی مقصد کو ہر وقت پیش نظر نہ رکھے۔ اور اپنی تمام نقل و حرکت کو اسی مقصد و حمید کی تحصیل کے لئے آگاہ کار نہ بنائے اور زندگی کے ایک ایک لمحے کو اس پر وقت نہ کرے۔ اس وقت تک ہر مقصود پر پہنچنا مشکل ہے۔

اسند میں نے آئمہ مساجد کی رہنمائی کے لئے ان کے روزانہ اوقات کی تقسیم کا ایک مختصر سا خاکہ تجویز کر دیا ہے۔ جس کا مطلب یہ نہیں کہ ہر ایک امام مسجد اچھے اپنا دستور العمل بنائے پر مجبور ہے۔ بلکہ ہر ایک شخص اپنے اپنے حالات کا موازنہ کر کے اس میں مناسب تبدیلی عمل میں لا سکتا ہے۔ اور اپنی ذات کے لئے وہ خود ایک مفصل پروگرام تیار کر سکتا ہے۔ اور اسی کو اپنا دستور العمل بنا سکتا ہے۔ البتہ اپنے تجویز کردہ پروگرام کو بھی عملی جامہ پہنانا کوئی آسان کام نہیں۔ بلکہ کارے دار والا معاملہ ہے۔ جو شخص اپنے ہی بنائے ہوئے قانون کی پابندی نہیں کر سکتا۔ اور آئینی حکومت پر کاربند نہیں ہو سکتا۔ اس کا امام بننا تو درکنار وہ ایک متمددن انسان کہلانے کا بھی مستحق نہیں۔

پس ایک بہترین امام مسجد کے لئے اس کے روزانہ پروگرام کا سرسری خاکہ حسب ذیل ہے۔

- ۱۔ حوائج ضروریہ سے فراغت۔ ۲۔ فجر کی نماز۔ نمازیوں سے چند
- تین۔ ۳۔ درس قرآن۔ بچوں کی تعلیم و تربیت۔ ۴۔ محلہ یا گاؤں کا فوریہ
- بجر کے غیر حاضرین کو نماز کی تاکید اور پیابندوں کی دیکھ بھال وغیرہ۔ ۵۔ کھانا
- رام۔ ۶۔ مطالعہ کتب و اخبار یعنی اور اپنا کاروبار۔
- ۷۔ ظہر کی نماز اور اپنا کاروبار۔
- ۸۔ عصر کی نماز اور اپنا کاروبار۔
- ۹۔ مغرب کی نماز۔ کھانا و سیر و تفریح۔
- ۱۰۔ نماز عشاء۔ نمازیوں سے چند باتیں۔

امام کا سالانہ پروگرام

تم نہیں جانتے قرآن کیا ہے
تم نہیں جانتے ایمان کیا ہے
معجزوں کو تو استادِ بحسی سے
یہ بھی سمجھے کہ مسلمان کیا ہے!

چونکہ آئمہ مساجد کے لئے اپنی ذاتی زندگی کو باقاعدہ بنانے کے علاوہ اپنے
مقتدیوں کی اجتماعی حالت کی اصلاح بھی ضروری ہے۔ ان کی اجتماعی خرابیاں
کی ساری ذمہ داری امام مسجد پر ہی عائد ہوتی ہے۔ لہذا ان کی اصلاح کا
سارا اہم جھبہ بھی اس کے کندھوں پر ہے۔ بہترین امام مسجد کے لئے یہ ضروری
ہے کہ جس طرح اسے اپنی حالت کا ہر وقت جائزہ لینا چاہیے۔ اسی طرح
اسے اپنے مقتدیوں اور زیر اثر طبقے کے لوگوں کی اجتماعی حالت کا بھی موازنہ
کرنا چاہیے۔ اور ان کی اجتماعی کمزوریوں کی تشخیص کر کے ان کی اصلاح اور
دینِ متین کی نشر و تبلیغ کے لئے ایک مستقل پروگرام مرتب کرے۔

امام مسجد کے ذمہ چونکہ بے شمار فرائض منصبی ہیں۔ امدود ایک ہی وقت میں تمام ضروری امور پر کماحقہ توجہ نہیں دے سکتا۔ اور جب تک کسی چیز پر پوری پوری توجہ نہ دی جائے۔ اور اس کے تمام پہلوؤں پر پورا پورا غور نہ کیا جائے۔ اس کی تمام جزئیات پر نظر نہ دوڑائی جائے۔ اس وقت تک کوئی مقصد پایہ تکمیل تک نہیں پہنچ سکتا۔

لہذا بہترین امام مسجد کے لئے ضروری ہے کہ اپنے روزانہ دستور العمل کی طرح اپنی تمام ذمہ داریوں کو پیش نظر رکھ کر ایک سالانہ پروگرام بھی مرتب کرے۔ اور اپنے اس تیار کردہ تعمیری پروگرام کے ایک ایک شعبہ کی تفصیلات پر غور کرے اور تمام اصلاحی ضروریات کو اپنے اپنے وقت پر ایک ایک کر کے معرض عمل میں لائے۔ اور سب کو ایک ایک کر کے ان کے وقت مقررہ پر اس طرح پایہ تکمیل کو پہنچائے کہ کسی معاملے کا کوئی ایک پہلو بھی اس کی نظروں سے اوجھل نہ ہونے پائے۔

بہترین امام مسجد کے سالانہ پروگرام کا ایک مختصر سا سرسری خاکہ حسب ذیل ہے :-

ہر ایک امام مسجد اپنے اپنے مقامی حالات اور ضروریات کو پیش نظر رکھ کر اس میں مناسب تبدیلی کر لے۔ اور ایک مکمل دستور العمل اپنے لئے تیار کر لے۔

محرم ————— منفر ————— ربیع الاول

ذکر شہادت | اتحاد و ایثار | میلاد النبی
فلسفہ شہادت | قومی تنظیم | سیرت رسول

ربیع الثانی ————— جمادی الاول ————— جمادی الثانی

مسلمانوں کی ادبی | مسلمانوں کی اخلاقی | مسلمانوں کی روحانی
اصلاح | اصلاح | اصلاح

رجب ————— شعبان ————— رمضان

سراج النبی | شب برات | نماز، روزہ، لیلة القدر
سیاسی اصلاح | اقتصادی اصلاح | ضرورت القرآن

شوال ————— ذی القعدة ————— ذی الحجۃ

عید الفطر | اسلامی تقریبات | عید الفطر
زکوٰۃ | اصلاح اسلام | حج



خطبات بدر

(مولفہ مولوی بدر الدین صاحب بدر حلقہ دہری)
 جو زمانہ حاضرہ کے مسلمانوں کی ضروریات کو پیش نظر رکھتے ہوئے نہایت
 دلچسپ، عام فہم اور مسلسل اردو زبان میں خاص ترتیب سے مرتب کئے
 گئے ہیں۔ تمام خطبات نرائی مسائل سے میرا، اور شہری و دیہاتی جملہ
 مسلمانوں کی مشترکہ ضروریات پر عادی ہیں۔ مسلمانوں کی دینی و دنیوی،
 مذہبی و سیاسی، اور اقتصادی و معاشرتی اصلاح کا مکمل نصاب ہیں، ہر ایک
 خطبہ اپنے اپنے موقع و محل کے مطابق ایسی حکمت عملی سے تیار کیا گیا ہے
 کہ پڑھتے وقت ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ابھی تیار کیا گیا ہے۔ معمولی سے
 معمولی قابلیت کا امام بھی حسب استعداد ان سے پورا فائدہ اٹھا سکتا
 ہے۔ قیمت فی جلد مجلد للبر

ملنے کا پتہ :-

شیخ غلام علی اینڈ سنز کشمیری بازار لاہور

ہماری اسلامی مطبوعات

دو قرآن - مصنفہ ڈاکٹر غلام حبیبانی
برق - موجودہ ایجادات اور سائنسی
تحقیقات کا تعلیمات قرآن سے تطابقت

دیانچال ایڈیشن
تحلیل نفسی - مصنفہ حزب اللہ احمد
السان کے ذہنی غلغلہ اور ان کا تجزیہ
ہندیاہ تحقیقی تکنیکی کتاب قیمت مجلد نمبر

موازنہ صلیب و دلاں - از
محبت شاہجہانپوری اسلام و سیاست کے تمدنی

سیاسی اور علمی عروج و زوال کی تاریخ قیمت غیر
قرآنی اخلاق - مرتبہ پروفیسر عبد الصمد عماما
قرآن مجید سے اخلاق کے متعلق آیات کا مجموعہ اور

انکی تشریح، لاجواب اصلاحی تصنیف قیمت غیر

کتاب منزل کشمیری بازار - لاہور



اسلام کا تمدنی و سیاسی نظام

از محبت شاہجہانپوری - قرآن مجید کی صرف ایک
آیت کی تفسیر جس میں یورپ کے موجودہ نظام حکومت
کو مد نظر رکھ کر ان ازم کے مقابلہ میں اسلام کا

نظام حکومت پیش کیا گیا ہے قیمت مجلد نمبر
اسلام کے عالمگیر اصول - علامہ

فرید دہلوی مصری کی شہرہ آفاق کتاب کا
ترجمہ جو ایک تاریخی روداد کا درجہ رکھتی ہے
قیمت مجلد نمبر

مقالات قرآنی مرتبہ علامہ عبد اللہ العبادی
قبل پھر اسلام کے اہم تاریخی واقعات قرآن مجید کے

اشارات اور ان کی وجہ تسمیہ
قیمت مجلد نمبر

وَالْعَمَلُ مَعَ الرَّكْعَيْنِ

۳۳۳۳۳

اسلام میں

امامت کا تصور

از

مولوی بدر الدین صاحب بدیع جالتدہری

ناشران

شیخ غلام علی اینڈ سنز تاجران کتب

لاہور (PUBLISHED BY)
BAL NAB